اسلام

آپ سے کیا چاہتا ہے؟

مولانا سید حامد علیؒ

ترتیب

پیش لفظ

پیشِ نظر کتاب اسلام کا ایک جامع اور مختصر تعارف ہے۔ اسلامی تعلیمات کے بارے میں واقفیت کی خواہش رکھنے والے افراد اس کتاب سے اپنی تشنگی بجھا سکیں گے اور جو مسلمان سچے مسلمان بننے کی آرزو رکھتے ہیں اِس کتاب سے معلوم ہو سکے گا کہ اسلام کے احکام کیا ہیں اور اللہ کا دین ان سے کن باتوں کا مطالبہ کرتا ہے۔

مصنّف نے اِس کتاب میں جو کچھ لکھا ہے، کتابُ اللہ کی محکم آیات اور رسول اللہ ﷺ کی سنتِ ثابتہ کی روشنی میں لکھا ہے بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں قرآن مجید کی آیات اور احادیثِ رسولؐ کو ترجمہ اور مختصر تشریح کے ساتھ ایک خاص ترتیب سے جمع کر دیا ہے۔ مصنّف نے ضعیف اور موضوع روایات سے کلّیتًا اجتناب کیا ہے اور صرف اُن روایات کو لیا ہے جو روایتًا اور درایتًا صحیح ہیں۔ مصنف نے عموماً احادیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم جیسی صحیح ترین کتبِ احادیث سے لی ہیں، صحاحِ ستہ کی بقیہ کتب سے بھی احادیث لی ہیں مگر جانچ اور پرکھ کر۔ صحاحِ ستہ سے باہر کی کتبِ احادیث سے شاذ و نادر ہی روایات لی ہیں اور صرف اُس صورت میں لی ہیں جب کہ آیات یا صحیح احادیث سے ان کی تائید ہوتی ہو۔

یہ محض اللہ کا فضل ہے کہ اس کی توفیق سے یہ کتاب اسلامی تعلیمات کا ایک مستند مجموعہ بن گئی ہے، توقع ہے کہ مسلمان اپنی زندگیوں کو اسلامی بنانے میں اس سے کما حقہ فائدہ اٹھائیں گے، عام انسانوں تک اسلام کی دعوت پہنچانے کے سلسلے میں بھی یہ کتاب ان شاء اللہ مفید ثابت ہو گی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام ـــــ دینِ انسانیت

اللہ نے ہمیں زندگی بخشی، انسان بنایا، اپنی تمام مخلوقات میں اشرف ٹھہرایا، بہترین صلاحیتیں، قوتیں اور اعضا عنایت فرمائے، زمین پر بسایا اور زمین کی مخلوقات پر اقتدار عطا کیا:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًاO

(بنی اسرائیل: ۷۰)

بے شک ہم نے اولادِ آدم کو عزّت بخشی، خشکی اور تری میں انہیں آمد و رفت کے وسائل عطا کیے، پاکیزہ اور عمدہ چیزوں کا رزق عنایت کیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر انہیں فضیلت بخشی۔

زمین کے تمام ذخائر اور اشیاء کو ہمارے لیے پیدا کیا:

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا (البقرة:۲۹)

اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کی تمام چیزیں پیدا کیں۔

زمین ہی نہیں، کائنات کی بے شمار چیزوں کو ہماری خدمت میں لگا دیا:

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَO وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَO وَاٰتٰكُمْ

مِّنْ كُلِّ مَاسَأَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۝ (ابراھیم: ۳۲-۳۴)

وہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا تو اس سے تمہارے کھانے کے لیے پھل پیدا کیے، کشتیوں اور جہازوں کو تمہارے فائدے کے لیے تابع فرمان بنایا تاکہ وہ سمندر میں اس کے حکم سے رواں دواں ہوں۔ اس نے تمہارے فائدے کے لیے دریاؤں کو تابع فرمان کیا۔ سورج اور چاند کو بھی تمہارے فائدے کے لیے پابندِ قانون بنایا کہ وہ مسلسل کام میں لگے ہیں۔ رات اور دن کو بھی تمہارے فائدے کے لیے نظام کا پابند بنایا اور تم نے جو کچھ مانگا تمہیں بخشا۔ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو تو تم ان کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ (مگر دیکھو) انسان بڑا ظالم اور بڑا ناشکرا ہے۔

اگر ہم اپنے جسم ہی پر نگاہ ڈالیں تو اس کے چھوٹے، بڑے، ہر حصّے کو بہترین خود کار، پر پیچ اور کثیر المقاصد مشین پائیں گے، جو غیر معمولی حکمت و دانائی کے ساتھ بنائی گئی اور ہماری خدمت کے لیے ہمارے سپرد کر دی گئی ہے۔ ان اعضاء کے اندر اتنی حکمتیں، اتنے کمالات اور اتنی باریکیاں اور نزاکتیں ہیں کہ سائنس کی بے انتہا ترقیوں کے باوجود عقل کسی ایک انسانی عضو کی حکمتوں کا احاطہ نہ کر سکی ہے اور انسانی دماغ کا تو کیا کہنا! علوم و فنون اور تمام سائنسی ترقیات کا سہرا اسی کے سر ہے۔ اس کے ذریعہ انسان زمین اور فضا پر حکمرانی کرنے کے ساتھ خلا میں سرگرمِ سفر ہو گیا ہے اور سیاروں تک اس کے قدم پہنچ گئے ہیں۔ اس عجیب و غریب جسم کے ساتھ وسیع و عریض کائنات، اپنے بے پناہ ذخائر کے ساتھ ہمارے گردو پیش ہماری خدمت اور ہمارے غور و فکر کے لیے پھیلا دی گئی ہے۔ یہ سب اللہ کی قدرت و حکمت اور اس کی ربوبیت و رحمت کی نشانیاں ہیں جو ہمارے جسم، زمین اور کائنات میں ہر سمت بکھری ہوئی ہیں۔ انہیں دیکھ کر ہمارا دل خدا کی عظمت اور اس کی شکر گزاری و محبت کے جذبے سے معمور ہو جاتا ہے اور بے اختیار کہہ اٹھتا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ (الفاتحۃ: ۱، ۲)

شکر و ثنا اللہ رب العالمین، رحمٰن و رحیم کے لیے ہے۔

ہم ان نشانیوں سے اپنے خالق و مالک، اپنے پروردگار و محسن اور اپنے مالک و آقا کو پا لیتے ہیں اور خلوص و عقیدت کے ساتھ اس کے آگے سرخم کر دیتے ہیں:

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ؕ (الفاتحة :۴)

اے اللہ ہم تیری ہی بندگی کرتے اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔

جس نے ہمیں بے حدوحساب بخشا، جس کے ہاتھ میں ہماری دُنیا اور ہماری آخرت ہے، جس کے ادنیٰ اشارے سے ہماری کامرانی وناکامی وابستہ ہے۔ عقل، شرافت اور انسانیت، ہر ایک کا تقاضا ہے کہ ہم اُس کی اور صرف اُس کی بندگی کریں:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ۙ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۖ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرة :۲۱،۲۲)

اے انسانو! اپنے رب کی بندگی کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے کے لوگوں کو پیدا کیا۔ امید ہے کہ اس طرح تم (دنیا و آخرت کی ناکامیوں سے) بچ سکو گے۔ جس نے تمہارے لیے زمین کا فرش بنایا اور آسمان کی چھت اور آسمان سے پانی اُتارا تو اس سے تمہارے لیے پھلوں کا رزق پیدا کیا تو تم خدا (کی بندگی میں اُس) کے شریک نہ ٹھہراؤ۔ تم تو جانتے ہی ہو۔

اللہ کی بندگی و اطاعت ہی کا دوسرا نام اسلام ہے۔ اسلام کے معنی ہیں خود کو اللہ کی اطاعت و بندگی میں دے دینا، خود کو اللہ کے سپرد کرنا:

بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (البقرة :۱۱۲)

ہاں! جس شخص نے اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دیا (اسلام) اور وہ مخلص اور نیک ہے، اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے اور ایسے لوگوں کے لیے (آخرت میں) خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے۔

جو لوگ خود کو اللہ کی بندگی و اطاعت میں دیدیں وہی فی الحقیقت مسلم ہیں:

وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ (البقرة :۱۳۶)

اور ہم اسی کے فرماں بردار (مسلم) ہیں۔

اللہ کی بندگی اور اس کے لیے حوالگی و سپردگی ہماری فطرت کی پکار ہے۔ جس نے ہمیں

وجود بخشا، بہترین جسم اور بہترین صلاحیتیں اور قوتیں عطا کیں، جو ہر آن ہمیں پال رہا ہے، جس نے ہماری خدمت کے لیے پوری کائنات کو لگا دیا ہے۔ ہم کیوں نہ اس کے بندے بنیں، اس کا شکر ادا کریں، اس کی محبت میں سرشار ہوں اور خود کو اس کی رضا میں گم کر دیں:

فَاَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّيۡنِ حَنِيۡفًا ؕ فِطۡرَتَ اللّٰهِ الَّتِىۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيۡهَا ؕ (الروم:۳۰)

تو اپنا رخ یکسو ہو کر (اللہ کے) دین کے لیے سیدھا کرلو، یہ دین اللہ کی فطرت ہے جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔

اسلام دین فطرت ہی نہیں، دین کائنات بھی ہے۔ یہ کائنات جس کے اندر ہم رہتے بستے ہیں، جس کے قوانین کے شکنجے میں ہم جکڑے ہوئے ہیں اور جو کچھ کرتے ہیں ان قوانین کے تحت ہی کر سکتے ہیں، جس کے قوانین کے علم اور اس کے صحیح استعمال ہی پر ہمارے تمام مادّی ارتقا کا دارومدار ہے۔ کیوں کہ سائنس قوانین فطرت ہی کے علم کا دوسرا نام ہے۔ یہ کائنات اپنی اتھاہ وسعتوں کے ساتھ اللہ کے مقرر کردہ قوانین کی پابند اور اس کی اطاعت کی راہ پر سرگرمِ سفر ہے۔ ہم خدا سے بغاوت کریں گے تو نظامِ کائنات سے ہمارا ٹکراؤ ہوگا اور ہم تباہ ہو جائیں گے۔

اَفَغَيۡرَ دِيۡنِ اللّٰهِ يَبۡغُوۡنَ وَلَهٗۤ اَسۡلَمَ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ طَوۡعًا وَّكَرۡهًا وَّاِلَيۡهِ يُرۡجَعُوۡنَ ○ (ال عمران:۸۳)

کیا یہ لوگ اللہ کے دین (اسلام) کے سوا کوئی اور دین چاہتے ہیں۔ حالاں کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، چار و نا چار اُسی کی اطاعت کر رہا ہے اور سب کو اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

ایک اور پہلو سے غور کیجیے۔ اللہ نے ہم انسانوں کو بے پناہ صلاحیتیں اور قوتیں اور بے انتہا ذرائع و وسائل بخشے ہیں۔ ان سے ہم دنیا اور نوع انسانی کی تعمیر و ترقی کا کام بھی لے سکتے ہیں اور تباہی و بربادی کا بھی۔ انسان کو اگر ان کا صحیح مصرف نہ بتایا گیا اور اُسے زندگی گزارنے کی سیدھی راہ نہ دکھائی گئی تو وہ خود بھی تباہ ہوگا اور دنیا کو بھی تباہ کر دے گا۔ ہدایت و رہ نمائی انسان کی سب سے بڑی ضرورت اور اس کی فلاح و کامرانی کے لیے شرطِ اولیں کی حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن کیا انسان خود اس ضرورت کو پورا کر سکتا ہے؟ اب تک کا تجربہ گواہ ہے کہ نہیں کر سکتا۔ انسان کا علم ناقص، اس کی فکر محدود، اس کا فہم اختلافات میں گم اور اس کی عقل خواہشوں اور مفادات کی غلام

اور وقتی حالات وحوادث سے متاثر۔ انسان کی اِس سب سے بڑی ضرورت کو اللہ ہی پورا کرسکتا ہے، جو خواہشوں اور مفادات سے پاک ہے، جو کسی چیز سے متاثر نہیں ہوتا، جس کا علم کامل اور جس کی دانش بے خطا ہے، جس نے انسان اور اس کی فطرت کو بنایا اور جو اس کی فطرت اور اس کی کامرانی وناکامی کے تمام پہلوؤں سے بخوبی آگاہ ہے۔

انسان تنہا زندگی نہیں گزارتا۔ اُس کا خاندان ہے، پڑوسی اور اعزّہ ہیں، محلّہ اور بستی والے ہیں، ملک وقوم کے افراد ہیں اور پھر پوری نوعِ انسانی ہے، اِن سب سے اس کے تعلقات ہوتے ہیں اور اُن کے اس سے۔ ان سب پر اِس کے حقوق ہیں اور اُس پر اِن سب کے حقوق۔ ضرورت ہے کہ سب انسانوں سے اس کے تعلقات منصفانہ ہوں، اُن سب کے درمیان وہ عدل اور توازن کا راستہ اختیار کرسکے، اس کے پاس ایسا نظامِ زندگی چاہیے، جو اُس کے، اُس کے خاندان کے، اُس کے سماج اور اُس کی قوم کے اور پوری نوعِ انسانی کے لیے عدل، رحمت اور ترقی وکامرانی کا ضامن ہو، جس میں تمام انسانوں کے تمام مسائل کا حل ہو اور جس میں انسان کے ظاہر و باطن، جسم وروح، قلب و دماغ، فرد اور سوسائٹی، مرد اور عورت، سرمایہ دار اور مزدور، حاکم اور محکوم، کالے اور گورے، سب کے لیے سکون، امن، کامرانی اور ترقی کا پورا پورا سامان ہو۔ عقل انسانی آج تک اس ضرورت میں انسان کے کام نہ آسکی اور نہ آیندہ آسکتی ہے۔

یہی نہیں، آج تک انسانی عقل انسان کو انسان بنانے کا کوئی فارمولا دریافت نہ کرسکی۔ اُس کے دِل میں کوئی ایسا خوف پیدا نہ کرسکی جو اُسے حدود میں رکھے اور ہر حال میں ذمّہ دار بنائے۔ کوئی نظامِ تربیت نہ دے سکی جو انسان کو باکردار اور انسانیت دوست بنا سکے، جو بلا امتیازِ نسل ورنگ یا بلا تفریقِ قوم ووطن، سب انسانوں سے انصاف اور محبت کرنا سکھائے اور سب کی بے لوث خدمت پر اُسے آمادہ کرے۔ نتیجہ یہ ہے کہ بے پناہ سائنسی ترقیات کے باوجود عالمِ انسانی دکھوں اور مصیبتوں سے کراہ رہا ہے۔ انسان کی بہترین قوتیں اور بے شمار ذرائع ووسائل جنگ و جدل میں لگ رہے ہیں اور عالم گیر تباہی وبربادی سامنے ہے:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِى النَّاسِ (الروم:۴۱)

خشکی اور تری میں انسانوں کے اپنے کرتوتوں کی بدولت فساد چھا گیا ہے۔

اللہ کا دین اسلام، انسان کی انھی بنیادی ضرورتوں کو پورا کرنے آیا ہے، وہ انسان کو صحیح

راستہ بتاتا ہے، ایسا راستہ جو اس کی پوری زندگی کو کامیاب بنائے، اس کی تمام صلاحیتوں اور قوتوں کو پروان چڑھائے اور جس پر چل کر انسان اپنے ہی لیے نہیں، دنیا کے لیے رحمت بن سکے۔

اللہ کا دین اسلام، انسان کو وہ نظام دیتا ہے جو خاندان، برادری، قوم اور نوعِ انسانی، سب کے حقوق منصفانہ طور پر مقرر کرتا ہے۔ انصاف اور توازن و اعتدال کے ساتھ سب کے مسائل حل کرتا ہے، انسانی زندگی کے مختلف شعبوں اور نوعِ انسانی کی مختلف اصناف اور طبقات کو ارتقا کا سامان بہم پہنچاتا ہے اور انسان کے ظاہر و باطن، جسم و روح اور قلب و دماغ، سب کے لیے سکون، طمانیت اور کامرانی کا ضامن ہے اور دنیا و آخرت، دونوں میں اس کے لیے کامرانی کی راہیں کھولتا ہے۔

اللہ کا دین اسلام، انسان کو انسان بناتا ہے، وہ انسان کے دل میں اللہ کی عظمت وہیبت بٹھاتا ہے، اس کی محبت اور اس کے لیے شکر، انابت اور بندگی کے جذبات قلب و دماغ میں پروان چڑھاتا ہے اور اُسے بتاتا ہے کہ اللہ ہر وقت اور ہر جگہ اُس کے ساتھ ہے، اس کی ایک ایک حرکت اس کی نظر میں ہے اور ایک ایک خیال اس کے علم میں۔ اُس کے فرشتے ہر وقت اور ہر جگہ انسان کو گھیرے ہوئے ہیں اور اُس کی پوری زندگی کا ریکارڈ مرتب کر رہے ہیں۔ آخرت میں ہر انسان اس ریکارڈ کے ساتھ اللہ کی عدالت میں پیش ہوگا۔ جہاں سے ایمان اور عملِ صالح کے نتیجے میں اس کے لیے جنت اور اس کی لازوال اور بے پایاں نعمتوں کا فیصلہ ہوگا اور اگر انسان اِن نعمتوں سے تہی دامن ہے تو اُسے جہنم اور اس کے دردناک اور رُسوا کن عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔ آخرت کی جواب دہی جنت کی ابدی نعمتوں اور جہنم کے ہولناک عذاب کا یقین انسان کو ہر حال میں ذمہ دار اور باکردار بنائے رکھتا ہے۔ اسلام عبادات کا ایک نظام دیتا ہے۔ یہ نظام اللہ سے انسان کے تعلق کو پختہ کرنے، پروان چڑھانے اور انسان کو انسانیت و کردار کا پیکر بنانے کے سلسلے میں بہترین رول ادا کرتا ہے۔ اِسلام اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دیتا ہے، اخلاقِ حسنہ کا غیر معمولی اجر بیان کرتا ہے، بدکرداری کے دنیوی و اخروی نتائجِ بد سے آگاہ کرتا ہے، اخلاقی اُصولوں کو سیاست و معیشت سمیت، پوری زندگی پر حکمراں و غالب ٹھہراتا ہے، زندگی کے تمام شعبوں کو اعلیٰ اخلاق کے رنگ میں رنگنے کا اہتمام کرتا ہے، اخلاقی اقدار کو ذات، برادری، قوم، ملک، ہر شے

سے بالاتر قرار دیتا ہے اور امتِ مسلمہ اور اسلامی حکومت کا مقصدِ وجود یہ قرار دیتا ہے کہ نیکیوں کو فروغ دیں اور برائیوں کا انسداد کریں:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ (الحج:۴۱)

یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار بخشیں تو نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں، نیکی کا حکم کریں اور برائی سے روکیں۔

اسلام سارے انسانوں کو ایک اللہ کی مخلوق، ایک ماں باپ کی اولاد اور ایک خاندان اور کنبہ قرار دیتا ہے۔ سب کی جان، مال اور آبرو کو محترم ٹھہراتا ہے، سب کو انصاف کا یکساں مستحق بتاتا ہے اور سب کی خدمت اور سب کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیتا ہے۔ اِسلام بندوں کے حقوق کو غیر معمولی اہمیت دیتا ہے۔ ماں، باپ، رشتہ داروں، پڑوسیوں، غریبوں، یتیموں، بیواؤں، مسافروں، غلاموں اور مختصر یہ کہ سب انسانوں (مسلم وغیر مسلم) کے حقوق بیان کرتا ہے اور ان حقوق کی ادائی کو لازم ٹھہراتا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ انسان کی نیکیاں اور عبادت گزاریاں اکارت جائیں گی، اگر اس نے بندوں کے حقوق پر ڈاکا ڈالا ہوگا اور بندے جب تک خود معاف نہ کریں، بندوں کی حق تلفیاں معاف نہ ہوں گی۔

یہ ہے اسلام! اللہ کا یہ دین انسانیت کی سب سے بڑی ضرورت اور انسان پر اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ خود اللہ نے اِسے اپنی نعمتوں کا اِتمام قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ یہ دین اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کا صحیح مصرف بتاتا ہے، جس کے نتیجے میں اللہ کی یہ نعمتیں انسان کے لیے حقیقتاً نعمت بن جاتی ہیں اور اُس کی دنیا و آخرت کامیاب و کامراں ہو جاتی ہے بصورتِ دیگر اللہ کی یہی نعمتیں دنیا و آخرت کے عذاب کی شکل اختیار کر لیتی ہیں:

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ (المائدۃ:۳)

آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمتیں تمام کر دیں اور اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے میں نے پسند کر لیا۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ، اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ ۝ (ابراھیم:۷)

اگر تم (میری بندگی کر کے) میرا شکر بجالاؤ گے تو میں تمہیں اور نعمتیں دوں گا۔ لیکن اگر تم (دینِ حق سے اعراض کر کے) ناشکری کرو گے تو میرا عذاب سخت ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ کو اسلام کے سوا کوئی دین انسانوں کے لیے پسند نہیں، جو شخص اسلام کے سوا کسی دین کو اختیار کرے گا، اللہ کو ناراض اور اپنی عاقبت کو خراب کرے گا اور اس کے تمام اعمال اللہ کے یہاں نامقبول ہو کرا کارت جائیں گے:

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۝ (آل عمران: ۸۵)

اور جو کوئی اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہے گا تو اس کا یہ دین (اللہ کے یہاں) قبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں تباہ و برباد ہوگا۔

یہ دین انسان کو دنیا کی کامرانی و سربلندی عطا کرتا ہے: سورۂ آل عمران میں ہے:

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝ (آل عمران:۱۳۹)

نہ کم زور پڑو، نہ غمگین، تم ہی سربلند ہو گے بشرطیکہ تم (سچے) مومن ہو۔

اور تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جب اسلام کا حق ادا کیا تو وہ گوشۂ گم نامی سے اٹھے اور متمدّن دنیا کے بہت بڑے حصّے پر چھا گئے اور انھیں وہ تمام کامرانیاں و سربلندیاں حاصل ہوئیں، جن کا اس دنیا میں تصوّر کیا جا سکتا تھا اور ان کے سلسلے میں اللہ کا یہ وعدہ پورا ہوا:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ (النور: ۵۵)

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے نیک اعمال کیے (دینِ حق کا حق ادا کیا) اللہ نے ان سے وعدہ فرمایا ہے کہ انہیں زمین میں خلافت و اقتدار بخشے گا، جس طرح ان سے پہلے کے لوگوں کو اس نے اقتدار عطا فرمایا تھا، اُن کے اُس دین کو، جسے اُس نے اُن کے لیے پسند فرمایا ہے، غلبہ بخشے گا اور ان کے خوف و ہراس کو امن و سکون

سے بدل دے گا، وہ میری ہی بندگی کریں گے، میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے۔
اور اللہ کی رضا اور آخرت کی فلاح و کامرانی کے متعلق اللہ کا یہ پیشگی اعلان آ گیا:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ ھُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّۃِo جَزَآؤُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ ذٰلِکَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّہٗo (البینۃ:۷،۸)

جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے نیک اعمال کیے یقیناً وہ مخلوق میں سب سے بہتر ہیں، اُن کی جزا اُن کے رب کے یہاں ہیشگی کی جنتیں ہیں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان جنتوں میں ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے۔ یہ جزا ہے اُن سب لوگوں کی جو اللہ سے ڈریں۔

اللہ اکبر! کتنا بلند ہے یہ مقام ''اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے''

اِن آیات سے واضح ہوتا ہے کہ دنیا و آخرت کی کامرانی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ ان تمام لوگوں کے لیے ہے جو ایمان اور عملِ صالح کی اعلیٰ صفات اپنے اندر پیدا کرلیں اور اللہ سے ڈر کر اور اس کی نافرمانی سے بچ کر زندگی گزاریں، بالفاظِ دیگر اللہ کے نازل کردہ دین، اسلام کا حق ادا کریں۔

آیندہ صفحات میں ہم اسلام کے بنیادی احکام کا ذکر کریں گے اور واضح کریں گے کہ اللہ کے دین کے سلسلے میں اس کے ماننے والوں پر کیا ذمے داریاں عائد ہوتی ہیں۔

تعلق باللّٰہ

اسلام کے معنٰی اللہ کی بندگی واطاعت اور اپنے آپ کو اُس کے حوالے کر دینے کے ہیں۔ اِس پہلو سے آپ دیکھیں تو اللہ سے صحیح اور زندہ تعلق اسلام کی اہم ترین بنیاد ہی نہیں، حقیقتاً کل اسلام ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان باللہ پر استقامت کو عین اِسلام قرار دیا ہے:

عَنْ سُفْیَانَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الثَّقَفِیِّ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ قُلْ لِّیْ فِی الْاِسْلَامِ قَوْلاً لَّآاَسْئَلُ اَحَدًا بَعْدَکَ قَالَ قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ۔ (بخاری، مسلم)

سفیان بن عبداللہ ثقفیؓ سے مروی ہے کہ میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! اسلام کے بارے میں مجھے ایسی بات بتا دیجیے کہ آپ کے بعد مجھے کسی سے پوچھنا نہ پڑے، فرمایا: کہو، میں اللہ پر ایمان لایا، پھر اس پر جم جاؤ۔

تعلق باللہ اور اس پر استقامت کے نتیجے میں مومن دنیا و آخرت کی کامرانیوں سے ہم کنار ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِکَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَo نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَکُمْ فِیْهَا مَاتَشْتَهِیْٓ اَنْفُسُکُمْ وَلَکُمْ فِیْهَا مَاتَدَّعُوْنَo نُزُلاً مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍo

(حم السجدة: ۳۰-۳۲)

جن لوگوں نے کہا، ہمارا رب اللہ ہے، پھر اس پر جم گئے، ان پر فرشتے نازل ہوں گے

کہ نہ خوف کھاؤ اور نہ غم کرو اور جنت کی خوش خبری پاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا،
ہم تمہارے ساتھی ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور تمہیں جنت میں وہ تمام نعمتیں
ملیں گی، جنہیں تمہارا دل چاہے گا اور جنہیں تم طلب کرو گے۔ یہ مہمان نوازی ہے
اُس اللہ کی جانب سے جو مغفرت فرمانے والا اور مہربان ہے۔
اب ہم تعلق باللہ کے مختلف گوشوں کو واضح کریں گے۔

صرف اللہ کو معبود بنائیے

اسلام کی سب سے اہم اور بنیادی تعلیم یہ ہے کہ اللہ ہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کائنات اور انسان کا خالق، مالک، پروردگار اور حاکم صرف اللہ ہے اس کے سوا نہ کوئی خدا ہے، نہ پروردگار، نہ مالک اور نہ حاکم۔ خدائی میں کوئی اس کا شریک نہیں، کائنات میں اس کے سوا کسی کا حکم نہیں چلتا، اس کے سوا کسی کے ہاتھ میں کچھ نہیں، وہی حاجت روا، مشکل کشا اور نجات دہندہ ہے۔ وہی مصیبت اور ضرورت میں انسان کے کام آتا ہے۔ وہی اس لائق ہے کہ انسان اس کی پرستش و عبادت کرے اور اس کے آگے سر بہ سجود ہو، اس کے سوا پرستش، عبادت اور دُعا کا کوئی مستحق نہیں۔ یہی تمام انبیاء علیہم السلام کی مشترکہ اور بنیادی دعوت تھی:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْہِ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ○ (الانبیاء: ۲۵)

ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھی بھیجے، اُن کی طرف یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، تو تم میری ہی بندگی کرو۔

اللہ کے سوا کسی اور کو معبود ماننا، کسی کی پرستش کرنا، اس سے مدد مانگنا یا دُعا کرنا شرک ہے اور شرک ایسا جرم ہے، جسے اللہ معاف نہ کرے گا:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ ج (النساء: ۴۸-۱۱۶)

بے شک اللہ اس جرم کو معاف نہ کرے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے اور اس سے کم درجے کے گناہ کو جس کے لیے چاہے گا معاف کر دے گا۔

اللہ کی عبادت کیجیے

اللہ نے ہمیں پیدا کیا، وہی ہمیں پال رہا ہے، وہی ہماری ہر ضرورت پوری کرتا ہے، ہم سر سے پیر تک اس کے احسانات میں غرق ہیں۔ ان امور کا احساس ہمیں بے چین کر دیتا ہے کہ ہم سراپا شکر اور سرتاپا عجز و نیاز بن کر اس کے آگے جھک جائیں، خلوص و عقیدت سے اس کے گن گائیں، اس سے پیمانِ وفا اور عہدِ بندگی باندھیں اور اپنا سب کچھ اس کے قدموں میں نچھاور کر دیں۔ بس یہی عبادت ہے۔ ہر سلیم الفطرت انسان، جو اللہ کو پہچانتا ہو، اس کی عبادت کرنے پر مجبور ہے۔ یہ اللہ کا کرم ہے کہ اس نے ہمیں عبادت کرنا بھی سکھایا اور بتایا کہ ہم عبودیت و بندگی کے جذبات کا اظہار کس طرح کریں۔

اسلام نے جن عبادات کی طرف ہماری رہ نمائی کی ہے، ان میں جذباتِ عبودیت کا اظہار بھی ہے اور اللہ سے پیمانِ وفا اور عہد بندگی بھی۔ اللہ کی رضا اور اُس کے قرب کے حصول کی ضمانت بھی ہے اور انسان کو اللہ کا بہترین بندہ اور بہترین انسان بنانے کا سامان بھی۔ یہ عبادات پوری اسلامی زندگی کی بنیاد ہیں اور ایمان کے بعد تمام نیکیوں اور بھلائیوں کا سرچشمہ بھی۔ اس لیے ایمان کے بعد ان کا مقام سب سے زیادہ بلند ہے اور وہ اللہ کو سب سے زیادہ محبوب اور اسلام میں سب سے زیادہ مقصود ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

بُنِیَ الْاِسْلَا مُ عَلٰی خَمْسٍ، شَهَادَةِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءِ الزَّكٰوةِ، وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ۔ (بخاری، مسلم)

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوۃ دینا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔

یہ اسلام کے پانچ بنیادی ستون ہیں، جن پر اسلام کی پوری عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ اسلام کی راہ پر چلنے کے لیے ان پانچ ارکان کا حق ادا کرنا ضروری ہے۔ جو شخص اِن کا حق ادا نہیں کرتا وہ اسلام کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن و حدیث، دونوں میں اِن عبادات کی

غیر معمولی تاکید اور ان کا غیر معمولی اجر ہے اور ان میں غفلت و کوتاہی برتنے پر شدید عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ ان عبادات کی یہی غیر معمولی اہمیت ہے، جن کے باعث مشہور حدیث جبرئیل میں سائل کے سوال کرنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں عین اسلام قرار دیا ہے:

..قَالَ یَامُحَمَّدُ اَخبِرنِی عَنِ الاِسلَامِ، قَالَ الاِسلَامُ اَن تَشهَدَ اَن لَّآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ وَتُقِیمَ الصَّلٰوةَ وَتُؤتِیَ الزَّکٰوةَ وَتَصُومَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ البَیتَ اِنِ استَطَعتَ اِلَیهِ سَبِیلًا۔ (بخاری، مسلم)

...کہا، اے محمدؐ! مجھے بتاؤ کہ اسلام کیا ہے؟ فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو، رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو اگر تم وہاں پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہو۔

اِس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ ان اعمال کا دین میں کیا مقام ہے۔

اللہ کو یاد کیجیے

اللہ کے عظیم احسانات، ان کی شکر گزاری اور اللہ سے محبت کا یہ تقاضا ہے کہ ہم اللہ کو زیادہ سے زیادہ یاد کریں، اس طرح ہم اس سے اور بھی محبت کرنے لگیں گے، ہمیں اس کے تصور کا اور بھی زیادہ استحضار ہوگا، ہمارے دل میں اس کا خوف اور زیادہ پیدا ہوگا، عاجزی، نیاز مندی اور سرافگندگی کے جذبات پروان چڑھیں گے اور ہم اللہ کی رضا اور اس کے دین پر زیادہ سے زیادہ چل سکیں گے اور اس سب کے نتیجے میں ہم اللہ کی محبت کے مستحق ہو جائیں گے۔ قرآن مجید میں ہے:

فَاذکُرُونِیٓ اَذکُرکُم (البقرۃ ۲:۱۵۲)

تم مجھے یاد کرو میں تمھیں یاد کروں گا۔

اور جسے اللہ یاد کرے اور یاد رکھے، اُسے اور کیا چاہیے! دُنیا و آخرت میں اُسے کس چیز کی کمی ہے شدید اور نازک حالات میں ہم راہِ حق پر اُسی وقت ثابت قدم رہ سکتے ہیں، جب ہمارا تعلق اللہ سے گہرا، زندہ اور پختہ ہو اور ہم اللہ کو زیادہ سے زیادہ یاد کرتے ہوں:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ۝ (الانفال: ۴۵)

اے ایمان لانے والو! جب کسی گروہ سے تمہاری مڈبھیڑ ہو جائے تو جم کر مقابلہ کرو اور اللہ کو زیادہ سے زیادہ یاد کرو، امید کہ تم کامیاب ہو گے۔

اللہ کے سچے بندے جو اللہ سے محبت رکھتے ہیں اور ہر حال میں اس کی راہ پر چلنا چاہتے ہیں، کھڑے، بیٹھے، لیٹے، ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ۔ (ال عمران: ۱۹۱)

یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے، بیٹھے، لیٹے۔

اللہ کی یاد اور اس کے ذکر کی سب سے اعلیٰ شکل نماز ہے، قرآن مجید میں ہے:

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ۔ (طٰہٰ: ۱۴)

نماز کو میری یاد کے لیے قائم کرو۔

اللہ کے ذکر کی دوسری اہم شکل فہم وخشوع کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت ہے:

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ (العنکبوت: ۴۵)

جس کتاب کی وحی تمہاری طرف کی گئی ہے، اس کی تلاوت کرو اور نماز قائم کرو۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

لَاحَسَدَ اِلَّا عَلَی اثْنَیْنِ رَجُلٌ اٰتَاہُ اللّٰہُ الْقُرْاٰنَ فَھُوَ یَقُوْمُ بِہٖ اٰنَآءَ الَّیْلِ وَاٰنَآءَ النَّھَارِ وَرَجُلٌ اٰتَاہُ اللّٰہُ مَالاً فَھُوَیُنْفِقُ مِنْہُ اٰنَآءَ الَّیْلِ وَاٰنَآءَ النَّھَارِ۔ (بخاری، مسلم)

دو آدمی قابل رشک ہیں، ایک وہ شخص جسے اللہ نے قرآن (کا علم) بخشا ہو تو وہ شب وروز قرآن کی تلاوت کا حق ادا کرتا ہو، دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے دولت بخشی ہو تو وہ اس میں سے شب وروز (راہِ خدا میں) خرچ کرتا ہو۔

اللہ کی یاد کی ایک اور مؤثر شکل دُعا ہے جو تضرع وزاری کے ساتھ خدا سے مانگی جائے:

اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَةً اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ۝

(الاعراف: ۵۵)

اپنے رب سے دُعا مانگو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے، یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

آیت سے معلوم ہوا کہ خدا سے دُعا نہ مانگنا یا خدا کے سوا کسی اور سے دُعا مانگنا حدِ بندگی سے تجاوز کرنا ہے۔ دعا بندگی و عاجزی کا مظہر ہے۔ اگلی آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے پھر فرمایا:

وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۭ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

(الاعراف:٥٦)

اللہ سے دُعا مانگو اُس سے ڈر کر اور اس کی رحمت کی امید کر کے، یقیناً اللہ کی رحمت نیک اور مخلص بندوں کے قریب ہے۔

معلوم ہوا کہ دُعا، جو امید و بیم کے ملے جلے جذبات کے ساتھ مانگی جائے، حسنِ بندگی بھی ہے اور رحمتِ الٰہی کو متوجّہ کرنے کا ذریعہ بھی۔ حدیث میں ہے:

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلدُّعَآءُ هُوَالْعِبَادَةُ ثُمَّ قَرَءَ: وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ۔

(المؤمن:٦٠) (ترمذی، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجه، احمد)

نعمان بن بشیرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دُعا عین عبادت ہے، پھر آپ نے آیت وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ پڑھی ـــــ اور تمہارے رب نے فرمایا، مجھ سے دُعا مانگو، میں تمہاری دُعا پوری کروں گا، جو لوگ میری عبادت سے اعراض کرتے ہیں، وہ ذلیل خوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

آیت اور حدیث، دونوں سے معلوم ہوا کہ دُعا عین عبادت ہے۔

اللہ کی یاد کی ایک اور مؤثر شکل مختلف اوقات میں اللہ کو یاد کرتے رہنا ہے جس طرح اللہ کے رسول ﷺ اللہ کو یاد کرتے تھے اوپر گزر چکا ہے کہ اللہ کے سچے بندے کھڑے، بیٹھے، لیٹے، ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا اُسوہ اس سلسلے میں بہترین اُسوہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ مختلف اوقات میں مختلف کام کرتے وقت اللہ کو کس طرح اور کن الفاظ میں یاد کرتے تھے، احادیث کے ذخیرے میں آج بھی یہ سب کچھ محفوظ ہے۔ کاش اِن بے بہا موتیوں سے ہم اپنا دامن بھر سکتے۔

حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَنَاعِنۡدَظَنِّ عَبۡدِیۡ بِیۡ وَاَنَامَعَهٗ اِذَاذَکَرَنِیۡ فَاِنۡ ذَکَرَنِیۡ فِیۡ نَفۡسِهٖ ذَکَرۡتُهٗ فِیۡ نَفۡسِیۡ وَاِنۡ ذَکَرَنِیۡ فِیۡ مَلَاٍ ذَکَرۡتُهٗ فِیۡ مَلَاٍ خَیۡرٍمِنۡهُمۡ۔ (بخاری، مسلم)

میں اپنے بندے کے یقین کے مطابق ہوں، جو وہ میرے ساتھ رکھتا ہے اور میں اُس کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے، تو اگر وہ مجھے اپنے جی میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اُسے اپنے جی میں یاد کرتا ہوں اور اگر مجھے کسی مجمع میں یاد کرتا ہے تو میں اس سے بہتر مجمع میں اسے یاد کرتا ہوں۔

کتنی روح پرور اور ایمان افزا ہے یہ حدیث! جو اللہ کو یاد کرتا ہے اللہ اُسے یاد کرتا ہے اور اُس کے ساتھ ہوتا ہے۔

توبہ و استغفار

اللہ کے ذکر کی ایک اور مؤثر شکل توبہ و استغفار ہے۔ جب بھی ہم سے کوئی چھوٹی بڑی غلطی ہو جائے ـــــ اور غلطی کس سے نہیں ہوتی ـــــ تو ہم نادم و پشیمان ہوں، رو رو کر اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں، آیندہ کے لیے گناہوں سے بچنے اور بندگیِ رب کے راستے پر چلنے کا عہد کریں، قرآنِ مجید میں توبہ کی تلقین اس طرح کی گئی ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا تُوۡبُوۡۤا اِلَی اللّٰهِ تَوۡبَةً نَّصُوۡحًا ؕ عَسٰی رَبُّکُمۡ اَنۡ یُّکَفِّرَ عَنۡکُمۡ سَیِّاٰتِکُمۡ وَیُدۡخِلَکُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ (التحریم:۸)

اے ایمان لانے والو! اللہ سے توبہ کرو، خالص اور سچی توبہ! امید ہے کہ تمہارا رب تم سے برائیوں کو دور کر دے گا اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔

توبہ گنہگاروں ہی کی نہیں، متقی بندوں کی بھی صفت ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَالۡمُسۡتَغۡفِرِیۡنَ بِالۡاَسۡحَارِ ۝ (آل عمران:۱۷)

اور اللہ کے بندے سحر کے وقت استغفار کرتے ہیں۔

توبہ کے سلسلے میں اللہ کے سب سے زیادہ مقرب بندے کا یہ حال تھا:

یَآ اَیُّھَا النَّاسُ تُوْبُوْآ اِلَی اللّٰہِ فَاِنِّیْ اَتُوْبُ اِلَیْہِ فِی الْیَوْمِ مِائَۃَ مَرَّۃٍ۔
(مسلم)

اے لوگو! اللہ سے توبہ کیا کرو، میں خود ایک ایک دن میں سو، سو بار اس سے توبہ کرتا ہوں۔

توبہ اللہ کو کس قدر محبوب ہے، اس کا کچھ اندازہ اس حدیث سے ہوتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَبْسُطُ یَدَہٗ بِالَّیْلِ لِیَتُوْبَ مُسِیْٓءُ النَّھَارِ وَیَبْسُطُ یَدَہٗ بِالنَّھَارِ لِیَتُوْبَ مُسِیْٓءُ الَّیْلِ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَّغْرِبِھَا۔
(مسلم)

اللہ اپنا ہاتھ رات میں پھیلاتا ہے تاکہ دن کا خطا کار توبہ کرلے اور دن میں اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ رات کا خطا کار توبہ کرلے (اور اس کا ہاتھ تھام لے) جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ احتساب و استغفار انسان کی تربیت و تزکیہ کے لیے اکسیر کا حکم رکھتے ہیں۔ تزکیہ ہی وہ چیز ہے جو اللہ کو بے حد پسند ہے، اسی لیے توبہ سے نہ صرف یہ کہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں، بلکہ بندہ اللہ کی محبت، اس کی رحمت اور اس کے قرب کا مستحق ہوجاتا ہے۔ یقیناً یہ بھی اللہ کی یاد ہی کی ایک اعلیٰ شکل ہے کہ بندۂ مومن اللہ کی کتاب اور اس کے دین کی تعلیمات کو سیکھے، سکھائے اور مسلمانوں اور غیر مسلموں میں اِن تعلیمات کو عام کرنے میں لگا رہے:

خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَہٗ۔ (بخاری، مسلم)

تم میں بہترین آدمی وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔

ایک اور حدیث میں قرآن کے اجتماعی مطالعے اور درس و تدریس کا ذکر اِن الفاظ میں ہے:

...وَمَااجْتَمَعَ قَوْمٌ فِیْ بَیْتٍ مِّنْ بُیُوْتِ اللّٰہِ یَتْلُوْنَ کِتَابَ اللّٰہِ وَیَتَدَارَسُوْنَہٗ بَیْنَھُمْ اِلَّانَزَلَتْ عَلَیْھِمُ السَّکِیْنَۃُ وَغَشِیَتْھُمُ الرَّحْمَۃُ وَحَفَّتْھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَذَکَرَھُمُ اللّٰہُ فِیْ مَنْ عِنْدَہٗ...
(مسلم)

...اور جو لوگ اللہ کے کسی گھر (مسجد) میں جمع ہوکر کتابِ الٰہی کو پڑھیں، پڑھائیں،

سمجھیں، سمجھائیں (اللہ کی) سکینت وطمانیت ان پر نازل ہوگی۔ (اللہ کی) رحمت ان کو ڈھانپ لے گی، فرشتے ان پر سایہ کریں گے اور اللہ اپنے مقرّبین میں انہیں یاد فرمائے گا...

کتنی وجد انگیز اور رُوح پرور ہے یہ حدیث! کاش ہم اس گروہ میں شامل ہو سکتے۔

اللہ سے ڈریئے اور اُسی پر بھروسا کیجیے

اللہ کائنات کا مالک وفرماں روا ہے۔ یہاں جو کچھ ہوتا ہے اسی کے اِذن اور مشیت سے ہوتا ہے۔ وہی ہر ایک کو وجود بخشتا اور موت دیتا ہے۔ وہی ہر شے کو پالتا اور اس کی تمام ضروریات پوری کرتا ہے۔ زندگی، موت، نفع، نقصان، مرض، شفا، عزّت، ذلت، دولت، حکومت، اولاد، رزق، قسمت، غرض دُنیا وآخرت کی ہر شے اُس کے اور صرف اُس کے ہاتھ میں ہے۔ وہی اِس قابل ہے کہ ہم اس سے رجوع کریں، اس پر بھروسا کریں، اُسے راضی کریں، اس کی نافرمانی سے بچیں، اس کی ناراضی اور عذاب سے ڈریں اور اس کے سوا کسی سے نہ ڈریں۔ کیوں کہ کسی دوسرے کے پاس کوئی قوت ہے ہی نہیں جس سے کوئی اندیشہ ہو یا جس پر بھروسا کیا جاسکے، قرآن مجید میں ہے:

مَاشَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ (الکھف:۳۹)

جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، اللہ کے بغیر کوئی طاقت نہیں ہے۔

ایک اور مقام پر ہے:

هُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ (المؤمنون:۸۰)

وہی زندگی بخشتا اور وہی موت دیتا ہے۔

ایک اور مقام پر ہے:

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ؇ (آل عمران:۲۶)

کہو! اے اللہ! اقتدار وفرماں روائی کے مالک تو جسے چاہتا ہے اقتدار بخشتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے، جسے چاہتا ہے عزّت بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلیل

کر دیتا ہے، سب نعمتیں تیرے ہی ہاتھ میں ہیں، یقیناً تو ہر شے پر قادر ہے۔

اللہ پر ایمان کا صریح تقاضا یہ ہے کہ مومن اللہ سے ڈرے، اس کے سوا کسی سے نہ ڈرے:

فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (آل عمران:۱۷۵)

تو تم ان سے نہ ڈرو، مجھ سے ڈرو اگر تم (سچے) مومن ہو!

اور اللہ پر اور صرف اللہ پر بھروسا کرے:

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ (آل عمران:۱۲۲)

اہلِ ایمان کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

سچے اہل ایمان کی زندگی کا نقشہ قرآن مجید نے اس طرح کھینچا ہے:

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْجَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۝ (آل عمران:۱۷۳)

یہ وہ ہیں کہ جب ان سے لوگوں نے کہا، لوگوں نے تمھارے مقابلے کے لیے (لاؤلشکر) جمع کر رکھا ہے تو ان سے ڈرو تو ان کا ایمان اور بڑھ گیا اور انھوں نے کہا، اللہ ہمارے لیے کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔

یہ ہے سچے بندۂ مومن کی زندگی کا نقشہ۔ وہ اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا اور اللہ سے ہر وقت ڈرتا ہے، وہ اللہ کے بھروسے پر تقویٰ اور خداترسی کی زندگی گزارتا ہے۔ یہاں تک کہ اسی حال میں اُسے موت آجاتی ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ (آل عمران:۱۰۲)

اے ایمان لانے والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی نافرمانی سے بچو جیسا اس سے ڈرنے اور اس کی نافرمانی سے بچنے کا حق ہے اور تمھیں ہرگز موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم (فرماں بردار) ہو۔

جو لوگ اللہ سے ڈر کر، اس کی نافرمانی سے بچتے ہوئے زندگی گزارتے ہیں اور اس پر بھروسا کرتے ہوئے، اس کی راہ پر گامزن ہوتے ہیں، اللہ ان کی مدد کرتا ہے، غیب سے ان کے لیے راہیں کھولتا ہے اور ان کی مشکلات کو ایک ایک کر کے دور فرما دیتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ لا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَحَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ
قَدْجَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَىْءٍ قَدْرًا ۝ (الطلاق:۲،۳)

جوکوئی اللہ کی نافرمانی سے بچے گا، اللہ اُس کے لیے راہ پیدا کرے گا اور اُسے اس جگہ سے رزق دے گا جہاں سے اُسے گمان بھی نہ ہوگا۔ اور جو اللہ پر بھروسا کرے گا اللہ اس کے لیے کافی ہوگا۔ اللہ اپنے فیصلے کو نافذ کر کے رہتا ہے۔ اس نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔

ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بار فرمایا: میں قرآن کی ایک آیت کو جانتا ہوں، جسے اگر لوگ اپنی زندگی میں اختیار کرلیں تو وہ ان کے لیے بالکل کافی ہوجائے، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ (احمد، ابن ماجہ، دارمی)

اللہ کی رضا کے لیے اس کی مکمل اطاعت کیجیے

اللہ خالق ہے اور ہم سب اس کی مخلوق ہیں۔ اللہ مالک ہے، ہم سب اس کے مملوک ہیں۔ اللہ پروردگار ہے اور ہم سب اس کی رعیت ہیں۔ اللہ ہمارا معبود ہے اور ہم سب اس کے بندے اور غلام ہیں۔ یہ ہیں وہ رشتے جو ہمارے اور ہمارے اللہ کے درمیان ہیں، ان رشتوں کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اس کا شکر ادا کریں، اس کے آگے جھکیں، اس کی رضا کے لیے جئیں اور مریں اور پوری زندگی میں اس کے بندے اور فرماں بردار بن کر رہیں۔ قرآن مجید کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ۙ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ؕ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ؕ (الفاتحة :۱–۴)

شکر و ثنا اللہ کے لیے، جو اہلِ عالم کا رب ہے، رحمٰن و رحیم ہے، روزِ جزا کا مالک ہے، (اے اللہ!) ہم تیری ہی بندگی کرتے اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔

یہ انسانی فطرت کی آواز ہے جس کی ترجمانی فطرت کے خالق نے کردی ہے۔ ہم نماز کی ہر رکعت میں اس آواز کو سنتے، اس پر لبیک کہتے، اللہ کا شکر بجالاتے، اس کی بندگی و فرماں برداری کا عہد کرتے اور اس عہد کی تکمیل کے لیے اُس سے مدد چاہتے ہیں۔ سورۂ بقرہ میں اس حقیقت کو اِن الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ (البقرۃ: ۲۰۷، ۲۰۸)

اور کچھ لوگ (یعنی اہل ایمان) ایسے ہیں کہ اللہ کی رضا جوئی کے لیے اپنے آپ کو (خدا کے ہاتھ) فروخت کر دیتے ہیں اور اللہ (ایسے) بندوں پر بہت مہربان ہے۔
اے ایمان لانے والو! اطاعت و سپردگی میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقشِ قدم کی پیروی نہ کرو، یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

اِن آیات سے واضح ہوا کہ اللہ ان بندوں کو اپنا سچا بندہ تصوّر کرتا ہے اور اُن پر بہت زیادہ مہربان ہے، جو اس کی رضا کو اپنا منتہائے مقصود بناتے ہیں اور اِس مقصدِ عظیم کے حصول کے لیے اپنے پورے وجود، اپنی تمام صلاحیتوں اور قوتوں اور اپنے تمام ذرائع و وسائل کو اللہ کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں۔ بالفاظِ دیگر ان کی زندگی اور ان کی املاک میں ان کی اپنی مرضی نہیں، اللہ کی مرضی اور اس کا حکم چلتا ہے۔ سورۂ توبہ میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ (التوبۃ: ۱۱۱)

بلاشبہ اللہ نے اہل ایمان سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو خرید لیا ہے۔ اس معاوضے میں کہ ان کے لیے جنت ہے۔

اللہ کی رضا اور جنت ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔ جنت اس مقام، اس عالم اور اس حالت کو کہتے ہیں، جہاں اور جب اللہ اپنے بندوں سے ہمیشہ کے لیے راضی ہو جائے گا تو انھیں بے پایاں، لازوال اور ناقابلِ تصور نعمتوں اور اپنے قرب و دیدار سے مالا مال فرمائے گا۔

سورۂ بقرہ اور سورۂ توبہ کی اِن آیات سے واضح ہوا کہ اللہ اور بندۂ مومن کے درمیان دراصل بیع و شرا کا معاملہ ہوتا ہے۔ بندہ جب ایمان لا کر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہتا ہے اور خود کو اللہ کی بندگی میں دیتا ہے تو وہ درحقیقت اپنی زندگی، اپنی صلاحیتوں اور اپنی قوتوں اور اپنی کل متاع کو اللہ کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے۔ اب اگر بندہ بیع و شرا کے اس معاہدے پر قائم رہتا ہے اور اپنے وجود کو واقعتاً اللہ کی مرضی میں گم کر دیتا ہے اور خدا کے حکم کا تابع بن کر زندگی گزارتا ہے تو اللہ اس کی

متاعِ حیات کو قبول فرمالیتا ہے اور اس کی قیمت کے طور پر اُسے جنت کی بے پایاں اور لازوال نعمتیں عطا فرماتا ہے اور اپنے بندے سے ہمیشہ کے لیے راضی ہو جاتا ہے۔ اوپر سورۂ بقرہ کی جو دو آیات نقل کی گئی ہیں۔ اِن میں آخری آیت اِس حقیقت کی مزید وضاحت کرتی ہے۔ وہ بتاتی ہے کہ اللہ پر ایمان لانے اور اپنے آپ کو اس کے ہاتھ فروخت کر دینے کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ مومن اپنے پورے وجود سمیت اللہ کی اطاعت وغلامی کے دائرے میں آجائے۔ اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً۔ اور زندگی کے ہر شعبے، ہر مرحلے اور ہر معاملے میں اللہ کی رضا اور اس کے احکام وہدایات کی پیروی کرے۔ یہی روش فرداً فرداً ہر مومن کی ہونی چاہیے اور یہی روش اجتماعی طور پر تمام اہلِ ایمان کی ہونی چاہیے۔ اللہ کی نافرمانی، خواہ وہ پوری زندگی میں ہو یا زندگی کے کسی گوشے اور شعبے میں، ایمان کے منافی اور شیطان کی پیروی کے ہم معنٰی ہے اور شیطان کی پیروی دنیا وآخرت دونوں میں انسان کو تباہ کرنے والی ہے۔ سورۂ انعام میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ۙ لَاشَرِیْکَ لَہٗ ۚ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝

(الانعام: ۱۶۲، ۱۶۳)

(اے نبی!) کہو! میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا، سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، مجھے اسی کا حکم ملا ہے اور میں آگے بڑھ کر اسلام لاتا ہوں (اطاعت کرتا ہوں)۔

جس طرح نماز اور قربانی، جیسے اعمالِ پرستش کا مستحق صرف اللہ ہے اور یہ اعمال ہمیں اسی کے لیے بجالانے چاہییں۔ اسی طرح انسانی زندگی بھی اللہ ہی کی ہے اور وہ بھی اسی کی رضا اور اسی کے احکام کے تحت بسر ہونی چاہیے، انسان کا جینا ہو یا مرنا، سب اللہ کے لیے ہونا چاہیے۔ آیت کا آخری ٹکڑا بتاتا ہے کہ اللہ کی یہ مکمل اطاعت وغلامی، اسلام کی اصل حقیقت ہے اور اسی مفہوم میں اسلام لانے کا مطالبہ اللہ نے اپنے بندوں سے کیا ہے۔ قرآنِ مجید میں ایک اور جگہ ہے:

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِہِمْ لَاتَقْنَطُوْا مِنْ

رَّحۡمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِيۡعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِيۡمُ ۝ وَاَنِيۡبُوۡۤا اِلٰى رَبِّكُمۡ وَاَسۡلِمُوۡا لَهٗ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِيَكُمُ الۡعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنۡصَرُوۡنَ ۝ وَاتَّبِعُوۡۤا اَحۡسَنَ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكُمۡ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِيَكُمُ الۡعَذَابُ بَغۡتَةً وَّاَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ ۝

(الزمر: ۵۳-۵۵)

کہو! اے میرے بندو! جنہوں نے (حدِّ بندگی سے) تجاوز کر کے خود پر ظلم کیا ہے، اللہ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہو، یقیناً اللہ سب گناہوں کو معاف کردے گا، بلاشبہ وہ مغفرت فرمانے والا اور مہربان ہے اور اپنے رب کی طرف پلٹو اور اس کے لیے اسلام لاؤ (خود کو حوالے کردو) قبل اس کے کہ تم پر عذاب آئے اور تمہیں کہیں سے مدد نہ ملے اور اُن بہترین ہدایات کی پیروی کرو، جو تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوئی ہیں۔ قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذاب آجائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

اللہ اکبر! ربُّ العالمین اپنے مشرک اور نافرمان بندوں کو کس پیار اور محبت سے بلا رہا ہے۔ اے میرے بندو! بلاشبہ تم نے عظیم جرائم کا اِرتکاب کیا ہے! یقیناً تم اپنی کرتوتوں سے دنیا و آخرت میں عذابِ الٰہی کے مستحق ہو چکے ہو! لیکن اس عذاب سے تم اب بھی بچ سکتے ہو! تمہارا رب غفورٌ رحیم ہے، وہ سب گناہوں کو معاف کرنے کو تیار ہے! آؤ اس کا دامن تھام لو! عاجزی و بندگی کے ساتھ اس کے آگے جھک جاؤ! شرک، بغاوت اور نافرمانی سے توبہ کرلو! اور اس کے بھیجے ہوئے اُس بہترین دین کی پیروی کرو، جو تمہارے مہربان خدا نے تمہاری فلاح و بہبود کے لیے بھیجا ہے! اگر تم نے اپنے رب کا کہنا مان لیا تو وہ تمہارے تمام گناہوں کو معاف کردے گا۔ تمہیں اپنی رحمت اور جنت سے نوازے گا۔ لیکن اگر تم نے بغاوت و نافرمانی پر اصرار کیا تو خدا کا عذاب دُنیا و آخرت میں تم پر ٹوٹ پڑے گا اور تم اِس عذاب سے بچ نہ سکو گے۔

اِن آیات سے واضح ہوا کہ اللہ کی اطاعت و فرماں برداری سے اللہ کی کوئی غرض وابستہ نہیں۔ بلکہ ہماری فلاح و کامرانی کا اُس پر انحصار ہے۔ اسی طرح اس کی نافرمانی سے اس کا کوئی نقصان نہیں ہوتا، بلکہ ہماری دُنیا اور ہماری آخرت تباہ ہوتی ہے۔

اللہ کی پرستش و عبادت کی طرح پوری زندگی میں اس کی اطاعت اور اس کے قانون کی پیروی بھی ضروری ہے۔ یہ چیز خود ہمارے ایمان اور ہمارے عقیدۂ توحید کا تقاضا ہے۔ اللہ کی

فرماں برداری سے انحراف کے بعد ہم خود کو صحیح معنی میں نہ مؤمن کہہ سکتے ہیں اور نہ موحّد ۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کائنات کا خالق، مالک اور پروردگار ہی نہیں، حاکم و فرماں روا بھی ہے:

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ (الاعراف: ۵۴)

سنو اسی کے لیے ہے تخلیق اور اسی کے لیے ہے فرمانروائی۔

یہی خدا، جو کائنات کا لاشریک فرماں روا ہے، وہی انسانوں کا بھی فرماں روا ہے:

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ مَلِكِ النَّاسِ ۙ اِلٰهِ النَّاسِ ۙ (الناس: ۱ – ۳)

کہو میں پناہ لیتا ہوں انسانوں کے رب کی، انسانوں کے بادشاہ کی، انسانوں کے خدا کی۔

انسانوں کے اسی فرماں روا کو انسانوں کے لیے حکم دینے اور قانون بنانے کا حق ہے:

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ (یوسف: ۴۰)

حکم اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں، اُسی کے لیے ہے۔

اللہ کے سوا کسی کو علی الاطلاق قانون ساز ماننا شرک ہے:

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ

(الشوریٰ: ۲۱)

کیا ان کے یہاں (خدا کے) ایسے شریک ہیں جنھوں نے ان کے لیے ایسا دین بنایا جن کی اجازت خدا نے انھیں نہیں دی تھی۔

انسان کے لیے جائز، صحیح اور واجب الاتباع قانون صرف اللہ کا ہے، اس کے سوا کسی کے قانون کو جائز اور صحیح قانون سمجھ کر اس کی پیروی شرک ہے:

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ؕ

(الاعراف: ۳)

تمہارے رب کی جانب سے تمہاری طرف جو کچھ نازل ہوا ہے اس کی پیروی کرو اور اس کے سوا دوسروں کی پیروی کر کے انھیں خدا نہ بنالو۔

خدا کے قانون کو صحیح اور واجب الاتباع تسلیم کرنا اور عملاً اس کی پیروی میں لگ جانا خدا کو رب (پروردگار، مالک، حاکم) ماننے کا صریح تقاضا ہے اور یہ مقام کسی اور کو دینا اُسے خدائی اور ربوبیت کے مقام پر فائز کرنا ہے۔ اللہ کا قانون اسی پہلو سے واجب الاتباع نہیں ہے کہ وہ کائنات

اور انسانوں کے جائز اور حقیقی فرماں روا کا قانون ہے، اس کی پیروی اس لیے بھی ضروری ہے کہ وہ منصفانہ قانون ہے۔ یہ اُس خدا کا وضع کردہ قانون ہے، جو ظلم کے ادنیٰ شائبے سے بھی پاک ہے، جو اپنے بندوں پر ظلم کرنے کا ارادہ بھی نہیں کرتا:

وَمَا اللّٰهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ۝ (ال عمران:۱۰۸)

اور اللہ اہلِ عالم پر ظلم کرنا نہیں چاہتا۔

اللہ نے سب انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ وہ سب کو پال رہا ہے۔ اس کی رحمت سب کے لیے ہے۔ اس کی نگاہ میں سب برابر ہیں۔ وہ سب کے ساتھ انصاف کرے گا اور کسی پر ظلم روا نہ رکھے گا۔ اس نے اپنا دین اسی لیے بھیجا کہ انسان انسانوں کے بنائے ہوئے جاہلانہ، ظالمانہ اور غیر متوازن قوانین سے بچ سکے اور خدا کے حکیمانہ، متوازن اور عادلانہ قوانین کے ذریعے انسانیت کے سب طبقوں، صنفوں، فرقوں اور قوموں کو انصاف کی نعمت مل سکے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ (الحدید:۲۵)

بے شک ہم نے اپنے رسول واضح دلائل کے ساتھ بھیجے اور ان کے ساتھ کتاب یعنی (حق وانصاف کی) میزان کو اتارا تا کہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔

یہی نہیں کہ اللہ کا بھیجا ہوا قانون اور نظامِ زندگی ہی منصفانہ اور معتدل و متوازن نظام ہے بلکہ وہی دنیا و آخرت، دونوں میں فلاح و کامرانی کا ضامن ہے۔ ایسا قانون اور ایسا نظامِ زندگی اللہ ہی دے سکتا تھا اور اس نے ہمیں ایسا ہی دین دیا:

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝ (البقرۃ:۵)

یہ لوگ (اہل ایمان) اپنے رب کی جانب سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ (دنیا و آخرت میں) کامیاب ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جب نوعِ انسانی کو زمین پر بسایا تو اُسے اس حقیقت سے اچھی طرح آگاہ کر دیا تھا کہ انسانوں کی نجات اور ان کی فلاح و کامرانی اللہ کی اطاعت اور اس کے دین کی پیروی پر موقوف ہے، جو اس کے رسولوں کے ذریعے ان تک پہنچتا رہے گا، اگر وہ اِس دین اور اس

قانون سے انحراف کریں گے تو اللہ کے ابدی عذاب کا شکار ہوں گے:

يٰبَنِيٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (الاعراف: ۳۵، ۳۶)

اے اولادِ آدم! اگر تمہارے پاس تم میں سے رسول آئیں جو تمہیں میری آیات سنا رہے ہوں، تو جو (اللہ کی) نافرمانی سے بچیں گے اور (اپنی) اصلاح کریں گے انھیں کوئی خوف ہوگا اور نہ غم۔ اور جو ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے اور اُن سے اعراض کریں گے ایسے لوگ دوزخ میں جائیں گے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

اللہ کے رسول اللہ کا دین اور اس کا قانون لے کر مختلف قوموں اور ملکوں میں آتے رہے:

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ۝ (الفاطر: ۲۴)

ایسی کوئی قوم نہیں جس میں اللہ کی طرف سے کوئی آگاہ کرنے والا (نبی) نہ آیا ہو۔

سب سے آخر میں حضرت محمد ﷺ سب انسانوں کے رہنما و پیشوا بن کر آئے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا۔ (سبا: ۲۸)

(اے محمدؐ! ہم نے تمہیں سب انسانوں کے لیے خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

آپؐ اللہ کے آخری نبی و رسول ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا:

وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۭ (الاحزاب: ۴۰)

آپؐ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں۔

آپ کی بعثت کے بعد اللہ کی بندگی اور شکر گزاری کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ زندگی کے سارے معاملات میں اللہ کے آخری رسول کی کامل پیروی کی جائے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (آل عمران: ۳۱)

(اے نبی!) کہو، اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف فرمادے گا، اللہ غفور رحیم ہے۔

جو شخص اللہ و رسول کی اطاعت کے لیے تیار نہیں، قرآن اُسے مسلمان تسلیم نہیں کرتا:

وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (النور: ۴۷)

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور رسول پر ایمان لائے اور ہم نے اطاعت قبول کی پھر ان میں کا ایک گروہ اس کے بعد (اطاعت سے) منہ موڑتا ہے، ایسے لوگ مؤمن نہیں ہیں۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اسلام کا بنیادی کلمہ ہے۔ اس کلمہ کا پہلا جزء یہ واضح کرتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، انسان صرف اللہ کا بندہ ہے اور اسے پوری زندگی میں اسی کی بندگی و غلامی کرنی ہے۔ کلمے کے دوسرے جزء سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ کی بندگی و غلامی کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ زندگی کے تمام معاملات میں ان کی اور ان کے لائے ہوئے دین کی پیروی کی جائے۔ یہی دنیا و آخرت میں فلاح و کامرانی کی راہ ہے اور اسی راہ کو اختیار کر کے ہم اللہ کی رضا، اس کی رحمت، اس کی نصرت اور اس کا قرب پا سکتے ہیں۔

بندوں کے حقوق

مذہب کی تعریف عام طور سے یہ کی جاتی ہے کہ وہ اللہ اور بندوں کے درمیان پرائیویٹ معاملہ ہے۔ یہ تعریف اور مذاہب کے معاملے میں صحیح ہوتو ہو، اسلام کے بارے میں صحیح نہیں ہے۔ اسلام کا تعلق انسان کی پرائیویٹ اور پبلک، انفرادی اور اجتماعی، دونوں زندگیوں سے ہے، پھر وہ جس طرح اللہ سے بندے کے صحیح تعلق کا نام ہے، اِسی طرح وہ بندے کے، دوسرے بندوں سے صحیح تعلق کا بھی نام ہے۔ اسلام کے بہت آسانی سے دو حصّے کیے جاسکتے ہیں، (۱) حق اللہ اور (۲) حق العباد۔ اسلام کی نظر میں دونوں حصّوں کی یکساں اہمیت ہے۔ قرآن مجید میں جہاں بھی اسلام کی بنیادی تعلیمات بیان کی گئی ہیں، اللہ کے حق کے فوراً بعد بندوں کے حقوق کا ذکر ہے:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ (النساء: ۳۶)

اللہ کی بندگی کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، والدین سے حسنِ سلوک کرو اور عزیزوں، یتیموں، غریبوں، رشتے دار، پڑوسیوں، اجنبی پڑوسیوں، ہم نشین ساتھیوں، مسافروں اور غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

دیکھا آپ نے! اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی لاشریک بندگی کا حکم دینے کے فوراً بعد بندوں سے حسنِ سلوک کا حکم دیا، یہی نہیں، تفصیل سے اُن کی فہرست بتائی، اِس فہرست میں والدین، اعزّہ،

یتیم، غریب، پڑوسی، ساتھی، مسافر اور غلام، سب ہی شامل ہیں۔ گویا دینِ حق دو چیزوں کا نام ہے۔ اللہ کی لاشریک بندگی اور بندوں سے حسن سلوک۔ ایک اور مقام پر دین کی بنیادی باتیں بتاتے ہوئے ایمان کے فوراً بعد بندوں کی خدمت کا ذکر ہے:

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○ (البقرۃ: ۱۷۷)

نیکی وحق شناسی تو یہ ہے کہ انسان اللہ پر، آخرت پر، فرشتوں پر، (اللہ کی) کتاب پر، اور نبیوں پر ایمان لائے، مال کو اس کی محبت کے باوجود عزیزوں، یتیموں، غریبوں، مسافروں، سوال کرنے والوں کو دے، اور غلاموں (کی رہائی) میں خرچ کرے، نماز قائم کرے، زکوٰۃ دے، جب عہد کرے تو عہد کو پورا کرنے والا ہو، تنگی، مصیبت اور جنگ کے موقع پر ثابت قدم ہو۔ ایسے ہی لوگ (ایمان میں) سچے ہیں اور یہی خداترس اور متقی ہیں۔

یہاں نماز اور تمام اعمالِ خیر سے پہلے بندوں کی خدمت کا ذکر ہے۔ اس سے بندوں کے حقوق کی غیر معمولی اہمیت واضح ہوتی ہے، ایک اور سورت میں بندوں کی خدمت اور ان سے حسنِ سلوک کا ذکر ایمان سے بھی پہلے ہے:

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ○ۖ وَمَآ اَدْرٰكَ مَا الْعَقَبَةُ ○ فَكُّ رَقَبَةٍ ○ۙ اَوْ اِطْعٰمٌ فِىْ يَوْمٍ ذِىْ مَسْغَبَةٍ ○ۙ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ○ۙ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ○ؕ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ○ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ○ؕ

(البلد: ۱۱-۱۸)

تو انسان گھاٹی میں کیوں داخل نہیں ہوا؟ اور تمہیں کیا معلوم کہ گھاٹی کیا ہے؟ غلام کو

آزاد کرانا یا فقروفاقہ کے دن رشتے دار یتیم یا خاک میں پڑے غریب کو کھانا کھلانا، پھر یہ شخص (جس نے یہ کام کیے) اِن لوگوں میں ہوگیا جو ایمان لائے اور جنھوں نے صبر اور رحم کرنے کی ایک دوسرے کو تلقین کی، ایسے لوگ آخرت میں (خدا کے) دستِ راست پر ہوں گے۔

اِن آیات سے واضح ہوتا ہے کہ بندوں کی خدمت غیر معمولی اور اعلیٰ درجہ کی نیکی ہے اور بہت سی دوسری اعلیٰ نیکیوں کا ذریعہ بنتی ہے، جن لوگوں میں یہ نیکی پائی جاتی ہے وہ ایمان اور صبر جیسی نیکیوں کو بھی پا لیتے ہیں۔ جو دِل بندوں کے لیے پسیجتا اور اُن پر ترس کھاتا ہے۔ وہ قلبِ سلیم ہے جو اللہ کے آگے جھکنے اور حق کو قبول کرنے کے لیے تیار ہو جائے گا، اس کے برعکس جو شخص سنگ دل ہے، جو بندوں کو مصائب و آلام میں مبتلا دیکھتا ہے اور اُس کا دل ان کے لیے نہیں پسیجتا، وہ انسان نہیں، حیوان ہے، اس کے سینے میں دل نہیں، پتھر ہے، ایسے دل میں ایمان نہیں سما سکتا، وہ دنیا کا پرستار ہے اور دنیا کا پرستار خدا کا پرستار نہیں بن سکتا۔ ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ جو لوگ خدا اور بندوں، دونوں کا حق ادا کرتے ہیں، وہ آخرت میں خدا کا قرب پائیں گے۔ یہ اللہ کے شکرگزار بندے ہیں۔ انھوں نے اللہ کی دی ہوئی نعمتوں میں اللہ اور اس کے بندوں، دونوں کا حق پہچانا اور اُس کی رضا کے لیے اس کی بخشی ہوئی نعمتوں کو اس کے بندوں پر خوب خوب صرف کیا۔ ایسے لوگ جہنم کے عذاب سے بچا لیے جائیں گے اور ان سے ان کا مالک و آقا ہمیشہ کے لیے راضی ہو جائے گا ــــ قرآن مجید میں ہے:

وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَیo الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰیo وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓیo اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰیo وَلَسَوْفَ یَرْضٰیo (اللیل: ۱۷-۲۱)

اور جہنم سے بچا لیا جائے گا، وہ شخص جو اللہ کی نافرمانی سے خوب بچتا رہا ہو، جو (بندوں کو) اپنا مال دیتا ہو تا کہ خود اس کے (اپنے نفس) کا تزکیہ ہو، اس پر کسی کا احسان نہیں ہے جس کا وہ بدلہ دے رہا ہو، وہ تو اپنے ربِّ اعلیٰ کی رضا چاہتا ہے اور وہ اس سے عنقریب راضی ہو جائے گا۔

یہ اللہ کے مقرّب بندوں کا کردار ہے۔ اس کے برعکس ان لوگوں کا کردار ہے، جو اللہ کے مبغوض ہیں اور جو آخرت میں شدید عذاب کے مستحق ہوں گے۔ ان کے کردار کے اہم ترین پہلو دو ہیں

(۱) اللہ پر ایمان نہ لانا (۲) بندوں پر رحم نہ کھانا۔ قرآن مجید میں ہے:

خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ (الحاقۃ: ۳۰-۳۴)

اسے پکڑلو، اِسے طوق پہنادو، پھر دوزخ میں ڈال دو۔ پھر اسے ستر گز کی زنجیر میں جکڑ دو، یہ شخص خدائے بزرگ و برتر پر ایمان نہ رکھتا تھا اور غریبوں کے کھانا کھلانے پر (لوگوں کو) ابھارتا نہ تھا۔

دوزخیوں سے سوال کیا جائے گا کہ وہ کن جرائم کی پاداش میں جہنم کی دکھوں بھری دنیا میں پہنچے؟ وہ جواب دیں گے:

قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ

(المدثر: ۴۳-۴۶)

وہ کہیں گے، ہم نمازی نہیں تھے، ہم غریبوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔ ہم مذاق اڑانے والوں کے ساتھ ہوکر (حق کا) مذاق اڑاتے تھے اور ہم روزِ جزا کو جھٹلاتے تھے۔

بندوں کی حق شناسی دین کی بنیاد ہے، اِس سے وہی شخص منہ موڑ سکتا ہے جو خدا فراموش ہو، جس کے دِل سے جزا وسزا کا تصوّر نکل سکتا ہو:

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ (الماعون: ۱-۳)

کیا تم نے اُس شخص کو دیکھا جو (آخرت کی) جزا وسزا کو جھٹلاتا ہے؟ یہی تو وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکّے دیتا ہے اور غریب کو کھانا کھلانے پر (لوگوں کو) آمادہ نہیں کرتا۔

حقوق العباد کی ایک اور پہلو سے بھی اہمیت ہے۔ شرک کو چھوڑ کر کہ وہ نا قابلِ معافی جرم ہے۔ اللہ اپنی جس حق تلفی کو چاہے گا، معاف کردے گا:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (النساء: ۱۱۶)

اللہ اس جرم کو معاف نہ کرے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے اور اس سے کم تر درجہ کے گناہ کو جس کے لیے چاہے گا معاف کر دے گا۔

لیکن وہ بندوں کی حق تلفیوں کو معاف نہ کرے گا، جب تک کہ بندے خود معاف نہ کر دیں یا ان کو ان کے حقوق ادا نہ کر دیے جائیں۔ حدیث میں ہے:

اَلدَّوَاوِیْنُ ثَلٰثَۃٌ دِیْوَانٌ لَایَغْفِرُ اللّٰہُ الْاِشْرَاکُ بِاللّٰہِ یَقُوْلُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ اِنَّ اللّٰہَ لَایَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَدِیْوَانٌ لَّایَتْرُکُہُ اللّٰہُ ظُلْمُ الْعِبَادِ فِیْ مَابَیْنَھُمْ حَتّٰی یَقْتَصَّ بَعْضُھُمْ مِنْ بَعْضٍ وَدِیْوَانٌ لَایَعْبَأُ اللّٰہُ بِہٖ ظُلْمُ الْعِبَادِ فِیْ مَابَیْنَھُمْ وَبَیْنَ اللّٰہِ فَذَالِکَ اِلَی اللّٰہِ اِنْ شَآءَ عَذَّبَہٗ وَاِنْ شَآءَ تَجَاوَزَ عَنْہُ۔

(شعب الایمان، بیہقی)

اعمال ناموں کے (غلط) اعمال تین طرح کے ہوں گے۔ ایک وہ جنہیں اللہ معاف نہ فرمائے گا، یعنی شرک، اللہ عزوجل نے فرمایا، اللہ اس بات کو معاف نہ کرے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے۔ دوسرے قسم کے اعمال وہ ہوں گے جن پر مؤاخذہ کیے بغیر اللہ نہ چھوڑے گا۔ یہ بندوں کا ایک دوسرے پر ظلم ہے۔ یہاں تک کہ وہ (آخرت میں) ایک دوسرے سے (اپنے حقوق) کا بدلہ نہ چکا لیں۔ تیسرے قسم کے اعمال وہ ہیں، جن کی اللہ زیادہ پروا نہ کرے گا۔ یہ خدا کی حق تلفیاں ہیں جو بندوں نے کیں، ان کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے، چاہے گا تو عذاب دے گا اور چاہے گا تو درگزر فرمائے گا۔

آخرت میں روپیہ، پیسہ اور جائداد وغیرہ، ساز و سامان نہ ہو گا کہ حق تلفیوں کی تلافی کے لیے ان کو دیا جا سکے۔ نیکیاں ہوں گی اور نیکیوں ہی میں قیمت ہو گی۔ چنانچہ ظالم کی نیکیاں مظلومین کو ان کی حق تلفیوں کے بدلے میں دے دی جائیں گی اور نیکیاں ختم ہو جانے پر مظلومین کی بدیاں ظالم کی فردِ جرم میں منتقل کر دی جائیں گی اور اُسے جہنّم میں جھونک دیا جائے گا۔ حدیث میں ہے:

مَنْ کَانَتْ لَہٗ مَظْلِمَۃٌ لِّاَخِیْہِ مِنْ عِرْضِہٖ اَوْشَیْءٌ فَلْیَتَحَلَّلْہُ مِنْہُ الْیَوْمَ قَبْلَ اَلَّایَکُوْنَ دِیْنَارٌوَّلَادِرْھَمٌ اِنْ کَانَ لَہٗ عَمَلٌ

صَالِحٌ اُخِذَ مِنۡهُ بِقَدۡرِ مَظۡلِمَتِهٖ وَاِنۡ لَّمۡ يَكُنۡ لَّهٗ حَسَنَاتٌ اُخِذَ مِنۡ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهٖ فَحُمِلَ عَلَيۡهِ۔ (بخاری)

جس کسی نے اپنے بھائی پر اس کی آبرو کے سلسلے میں کوئی ظلم کیا ہو یا اس کی کوئی اور شے اس کے پاس ہو تو اُسے چاہیے کہ اُس سے (معافی مانگ کر) اُسے اپنے لیے حلال کر لے، اُس دِن کے آنے سے قبل جب کہ نہ دینار ہوگا اور نہ درہم، اگر ظالم کے پاس نیکیاں ہوں گی تو حق تلفی کے بقدر اس سے لے کر مظلوم کو دے دی جائیں گی اور نیکیاں نہ ہوں گی تو مظلوم کی برائیاں اس پر ڈال دی جائیں گی۔

صحیح مسلم کی ایک روایت اس حقیقت پر مزید روشنی ڈالتی ہے:

عَنۡ اَبِیۡ هُرَيۡرَةَ اَنَّ رَسُوۡلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اَتَدۡرُوۡنَ مَاالۡمُفۡلِسُ قَالُوا الۡمُفۡلِسُ فِيۡنَا مَنۡ لَّادِرۡهَمَ لَهٗ وَلَامَتَاعَ فَقَالَ اِنَّ الۡمُفۡلِسَ مِنۡ اُمَّتِیۡ مَنۡ يَّاۡتِیۡ يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ بِصَلٰوةٍ وَّصِيَامٍ وَّزَكٰوةٍ وَيَاۡتِیۡ قَدۡشَتَمَ هٰذَا وَقَذَفَ هٰذَا وَاَكَلَ مَالَ هٰذَا وَسَفَكَ دَمَ هٰذَا وَضَرَبَ هٰذَا فَيُعۡطٰی هٰذَا مِنۡ حَسَنَاتِهٖ وَهٰذَا مِنۡ حَسَنَاتِهٖ فَاِنۡ فَنِيَتۡ حَسَنَاتُهٗ قَبۡلَ اَنۡ يُّقۡضٰی مَاعَلَيۡهِ اُخِذَ مِنۡ خَطَايَاهُمۡ فَطُرِحَتۡ عَلَيۡهِ ثُمَّ طُرِحَ فِی النَّارِ۔ (مسلم)

ابو ہریرہ رضی اللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تم جانتے ہو، مفلس کون ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا، مفلس ہم میں وہ شخص ہے جس کے پاس نہ پیسہ ہو، نہ سامان۔ فرمایا، میری اُمّت میں مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نماز، روزے اور زکوٰۃ جیسے اعمال خیر کے ساتھ آئے گا مگر اس نے کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال ہڑپ کیا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا پیٹا ہوگا تو ہر شخص کو اس کی نیکیاں دے دی جائیں گی، پھر اُن کے مطالبات کے ادا ہونے سے قبل نیکیاں ختم ہو جائیں تو اِس پر ان کی برائیاں ڈال دی جائیں گی پھر اُسے دوزخ میں ڈھکیل دیا جائے گا۔

کتنی عبرتناک اور لرزا دینے والی ہیں یہ احادیث! ان سے حقوق العباد کی اہمیت اور بندوں کی حق تلفی کی خطرناکی و سنگینی پر پوری طرح روشنی پڑتی ہے۔

انصاف

بندوں کے حقوق کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا یہ مختصر ارشاد جامع ہدایت کی حیثیت رکھتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى (النحل:۹۰)

بے شک اللہ انصاف کا، حسن سلوک کا اور عزیزوں کو دینے کا حکم دیتا ہے۔

ہر انسان مسلم ہو یا کافر، دوست ہو یا دشمن، انصاف کا مستحق ہے، دشمنی میں بھی کسی شخص یا گروہ، پر ظلم روا نہیں ہے:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫ (المائدة:۸۱)

اور کسی گروہ کی عداوت تمہیں اس بات پر ہرگز آمادہ نہ کردے کہ انصاف نہ کرو، انصاف کرو، یہی بات خدا ترسی سے قریب ہے۔

ہر انسان کی جان محترم ہے۔ ناحق کسی کا بھی خون نہیں بہایا جاسکتا۔ ہر انسان کا مال محترم ہے، اُسے اس سے چھینا نہیں جاسکتا۔ ہر انسان کی آبرو محترم ہے، اس پر کسی حال میں دست درازی نہیں کی جاسکتی، ہر انسان کو، اپنے عقیدہ کے مطابق عبادت کرنے کا حق ہے، کسی کو عقیدہ و مذہب کی تبدیلی پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، کسی کے مذہبی امور میں مداخلت نہیں کی جاسکتی، کسی کی عبادت گاہ کی بے حرمتی نہیں کی جاسکتی، کسی کے مذہبی پیشواؤں اور مقدس ہستیوں کو برا بھلا نہیں کہا جاسکتا، کسی کے پرسنل لا کو ختم نہیں کیا جاسکتا، عزّت کے ساتھ زندہ رہنے کا ہر شخص کو حق ہے، اس حق سے کسی کو محروم نہیں کیا جاسکتا، جائز طریقوں سے روزی کمانے کا ہر شخص کو حق ہے، کسی شخص سے اس حق کو چھینا نہیں جاسکتا، علم حاصل کرنا اور اپنے عقیدہ و مسلک کے مطابق اپنی اولاد کو تعلیم دلانا ہر شخص کا حق ہے، کسی شخص کے اس حق کو سلب نہیں کیا جاسکتا، عورت کی آبرو ہر حال میں محترم ہے، اس کی بے آبروئی کسی حال میں نہیں کی جاسکتی۔ قانون کا تحفظ ہر شخص کے لیے یکساں ہے، اس سلسلے میں کوئی امتیاز برتا نہیں جاسکتا۔ یہ اور اس طرح کے انسانی حقوق امیر، غریب، کالے، گورے، مسلم، کافر، دوست، دشمن، سب کے لیے ہیں اور اسلام کی بنیادی تعلیم نہ صرف یہ ہے کہ ہر شخص کے ساتھ انصاف ہو بلکہ انصاف کا تحفظ اور اس کا قیام مسلمان کا مقصدِ وجود ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۣ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ (النساء:۱۳۵)

اے ایمان لانے والو! انصاف کے قائم کرنے والے اور اللہ کے لیے گواہی دینے والے بنو، خواہ گواہی خود تمہارے یا تمہارے والدین یا اعزّہ کے خلاف ہو، جس کے خلاف گواہی دی جا رہی ہے اگر وہ مالدار یا غریب ہے تو اللہ اس کا زیادہ خیر خواہ ہے تو تم خواہشوں کی پیروی میں انصاف سے نہ ہٹو۔

ظالم کو، خواہ کچھ ڈھیل مل جائے مگر اس کا انجام دردناک ہوتا ہے، حدیث میں ہے:

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ لَيُمْلِی الظَّالِمَ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَهٗ لَمْ يُفْلِتْهُ ثُمَّ قَرَءَ: وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ○

(ھود: ۱۰۲) (بخاری، مسلم)

ابو موسیٰؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے مگر جب پکڑتا ہے تو پھر چھوڑتا نہیں پھر آپ نے آیت وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ ...شدید پڑھی ــــ اور اسی طرح تمہارے رب کی گرفت ہوتی ہے جب وہ ظالم بستیوں کو پکڑتا ہے، یقیناً اس کی گرفت شدید اور دردناک ہے!

اللہ کے مبغوض اور نافرمان بندے آخرت میں نور سے محروم ہوں گے، وہ تاریکیوں میں بھٹکتے بھٹکتے دوزخ میں جا گریں گے، ہر بدی آخرت میں تاریکی کی شکل اختیار کرے گی اور ظلم بہت سی تاریکیوں کی شکل اختیار کرے گا، حدیث میں ہے:

اَلظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (بخاری، مسلم)

ظلم قیامت کے دن تاریکیوں کی شکل اختیار کرے گا۔

یہ ہے انصاف کی اہمیت اور ظلم کی شناعت! پھر انصاف کی روش کے لیے یہ شرط ہرگز نہیں ہے کہ لوگ ہمارے ساتھ انصاف کریں، لوگ ظلم کریں یا انصاف، ہمیں ہر حال میں انصاف کرنا اور ظلم سے بچنا چاہیے حدیث میں ہے:

لَا تَكُوْنُوْا اِمَّعَةً تَقُوْلُوْنَ اِنْ اَحْسَنَ النَّاسُ اَحْسَنَّا وَاِنْ ظَلَمُوْا

ظَلَمُنَا وَلٰكِنْ وَطِّنُوْآ اَنْفُسَكُمْ اِنْ اَحْسَنَ النَّاسُ اَنْ تُحْسِنُوْآ وَاِنْ اَسَآءُ وا فَلاَ تَظْلِمُوْا۔ (ترمذی)

لوگوں کی روش پر چلنے والے نہ بنو کہ یوں کہنے لگو، اگر لوگ حسن سلوک کریں گے تو ہم بھی کریں گے اور اگر وہ ظلم کریں گے تو ہم بھی کریں گے، نہیں، اپنے آپ کو اس بات کے لیے تیار کرو کہ اگر لوگ حسنِ سلوک کریں تو تم حسنِ سلوک کرو اور بدسلوکی کریں تو ظلم نہ کرو۔

حسن سلوک

لیکن اسلام نے محض انصاف کا حکم دینے پر بس نہیں کیا ہے۔ بلکہ اس نے آگے بڑھ کر بندوں کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت کی ہے۔ یہ ہدایت بھی سب انسانوں کے لیے ہے۔ اس میں مسلم اور غیر مسلم کے مابین کوئی امتیاز نہیں، ہمارے دِل میں ہر انسان کے لیے رحم ہونا چاہیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَلرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ ارْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ۔ (ترمذی، ابو داؤد)

رحم کرنے والوں پر خدائے مہربان رحم فرمائے گا، زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

ہر انسان ابنِ آدم ہونے کے ناتے ہمارا بھائی ہے اور بھائی کے ساتھ جو رویہ ہونا چاہیے وہی رویہ ہمیں ہر انسان سے رکھنا چاہیے۔ ہم اِس پر رحم کھائیں، دِل سے اُس کا بھلا چاہیں، اُسے بہتر سے بہتر مشورہ دیں، مشکلات میں اس کا ہاتھ بٹائیں، ضرورت پر اس کے کام آئیں، اِس سے شریفانہ برتاؤ کریں اور جو خدمت بن پڑے ہم اس سے دریغ نہ کریں۔

بے کسوں کی خدمت

جو شخص جتنا زیادہ بے سہارا، کم زور، غریب اور پریشان حال ہے، اتنا ہی وہ خیر خواہی، ہم دردی، توجہ اور اعانت کا مستحق ہے۔ ہماری ذمّے داری ہے کہ ہم اُسے سہارا دیں، حدیث میں ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ السَّاعِیْ عَلَی الْاَرْمِلَةِ وَالْمِسْکِیْنِ کَالسَّاعِیْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاَحْسِبُهٗ قَالَ کَالْقَائِمِ لَا یَفْتُرُ وَکَالصَّائِمِ لَا یُفْطِرُ۔ (بخاری، مسلم)

ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، بیواؤں اور غریبوں کے لیے دوڑ دھوپ کرنے والا اللہ کی راہ میں دوڑ دھوپ کرنے والے کے مانند ہے اور میرا خیال ہے، آپ نے یہ بھی فرمایا، وہ شب بیداری کرنے والے کی طرح ہے جو کبھی نہیں تھکتا اور اس روزہ دار کی طرح ہے جو ہمیشہ روزے رکھتا ہے۔

اللہ اکبر! غریبوں اور بیواؤں کی خدمت کا کتنا بڑا اجر ہے! یتیم کے بارے میں ارشاد نبوی ہے:

اَنَا وَکَافِلُ الْیَتِیْمِ لَهٗ وَلِغَیْرِهٖ فِی الْجَنَّةِ هٰکَذَا وَاَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰی وَفَرَّجَ بَیْنَهُمَا شَیْئًا۔ (بخاری)

میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا ـــــ یتیم اس کا رشتہ دار ہو یا اجنبی ـــــ جنت میں اس طرح سے قریب ہوں گے اور آپ نے انگشت شہادت اور بیچ کی انگلی سے اشارہ کیا اور دونوں میں ذرا سا فاصلہ رکھا۔

یتیم کی کفالت کرنے والے کا کتنا بلند مقام ہے! اس کے برعکس یتیم کا مال ہڑپ کرنے والوں کا حشر بڑا دردناک ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا ۝ (النساء:۱۰)

جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ کھاتے ہیں اور وہ دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔

یہ بات ذہن میں پھر تازہ کر لیجیے کہ یہ ہدایات مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کے سلسلے میں ہیں:

پڑوسی کا حق

جو لوگ ہمارے پڑوس میں رہتے ہیں ـــــ مسلمان ہوں یا غیر مسلم ـــــ وہ ہماری خیر خواہی اور حسن سلوک کے اوروں کے مقابلے میں زیادہ مستحق ہیں۔ قرآن مجید میں عزیز پڑوسی اور غیر عزیز پڑوسی، دونوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔ احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ

پڑوسی کے ہم پر غیر معمولی حقوق ہیں:

مَازَالَ جِبْرَئِیْلُ یُوْصِیْنِیْ حَتّٰی ظَنَنْتُ اَنَّہٗ سَیُوَرِّثُہٗ۔

(بخاری، مسلم)

جبرئیل مجھ سے پڑوسی کے بارے میں برابر تاکید کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے خیال ہوا کہ وہ اُسے ترکے کا مستحق ٹھہرادیں گے۔

ایک اور حدیث میں ہے:

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ وَاللّٰہِ لَایُؤْمِنُ قِیْلَ مَنْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ الَّذِیْ لَا یَاْمَنُ جَارُہٗ بَوَائِقَہٗ۔

(بخاری، مسلم)

ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بخدا، وہ مومن نہیں ہے! بخدا، وہ مومن نہیں ہے! بخدا، وہ مومن نہیں ہے۔ پوچھا گیا کہ کون اے اللہ کے رسول؟ فرمایا، جس کا پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ ہو!

ماں باپ کے حقوق

انسانوں میں، انسان پر سب سے زیادہ حقوق اس کے ماں باپ کے ہیں۔ قرآن وحدیث میں ماں باپ سے حسنِ سلوک کی بار بار تاکید کی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّاتَعْبُدُوْٓا اِلَّآاِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًاط اِمَّایَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ اَحَدُھُمَآ اَوْکِلٰھُمَا فَلَا تَقُلْ لَّھُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْھَرْھُمَا وَقُلْ لَّھُمَا قَوْلًا کَرِیْمًاo وَاخْفِضْ لَھُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَۃِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْھُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًاo

(بنی اسرائیل: ۲۳، ۲۴)

اور تمہارے رب نے فیصلہ فرمادیا کہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو اور والدین سے حسن سلوک کرو، اگر تمہارے یہاں وہ دونوں یا ان میں کوئی ایک بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں تو انہیں ناگوار بات نہ کہو، نہ انہیں جھڑکو بلکہ ان سے شریفانہ بات کرو، رحمت وشفقت سے اِن کے لیے عاجزی کے بازو جھکادو اور کہو، اے میرے رب! ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں پالا تھا۔

ماں کا حق باپ سے بھی زیادہ ہے، حدیث میں ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ اَحَقُّ بِحُسْنِ صَحَابَتِیْ قَالَ اُمُّکَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ اُمُّکَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ اُمُّکَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ اَبُوْکَ وَفِیْ رِوَایَةٍ ثُمَّ اَدْنَاکَ ثُمَّ اَدْنَاکَ۔ (بخاری، مسلم)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے پوچھا، اے اللہ کے رسول! میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ فرمایا: تمہاری ماں، پوچھا پھر کون؟ فرمایا: تمہاری ماں، پوچھا، پھر کون؟ فرمایا: تمہاری ماں، پوچھا پھر کون؟ فرمایا: تمہارا باپ ایک روایت میں ہے پھر جو (رشتے میں) زیادہ قریب ہو، پھر جو زیادہ قریب ہو!

اگر ماں باپ شرک یا خدا کی نافرمانی کرانا چاہیں تو ان کی بات نہیں مانی جائے گی، اس کے باوجود ان سے حسن سلوک جاری رکھا جائے گا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاِنْ جَاهَدٰکَ عَلٰی اَنْ تُشْرِکَ بِیْ مَالَیْسَ لَکَ بِهٖ عِلْمٌ لا فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا ز وَّاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ ط (لقمان:۱۵)

اگر وہ (ماں باپ) اس بات کی کوشش کریں کہ تم میرے ساتھ ان چیزوں کو شریک ٹھہراؤ جن کے (شریک ہونے) کا تمہیں علم نہیں ہے تو ان کا کہنا نہ ماننا مگر دنیا میں ان سے شریفانہ برتاؤ رکھنا اور پیروی اس کے راستہ کی کرنا جو میری طرف جھکا ہوا ہے۔

اعزّہ کے حقوق

ماں باپ کے بعد ہم پر اعزّہ کے حقوق ہیں۔ قرآن مجید میں بندوں کے حقوق کے تذکرے کی ابتدا ماں باپ کے بعد اعزّہ کے ذکر سے ہوتی ہے:

وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ لا وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ ج (البقرة:۱۷۷)

نیکی یہ ہے کہ مال کی محبت کے باوجود خرچ کرے عزیزوں، یتیموں، غریبوں، مسافروں اور سائلوں پر اور غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے۔

سورۂ نساء میں دین کی دو اہم بنیادیں بتائی گئی ہیں: خدا ترسی اور رشتوں کے حقوق کا پاس ولحاظ:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ (النساء:۱)

اور اللہ کی نافرمانی سے بچو، جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو اور رشتوں کا پاس ولحاظ کرو۔

اللہ کے سچے بندے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرتے اور رشتوں کا حق ادا کرتے ہیں:

اَلَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۙ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ؕ (الرعد:۲۰، ۲۱)

جو اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرتے اور عہد (بندگی) توڑتے نہیں، جو اُن رشتوں کو، جنھیں جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے، جوڑے رکھتے ہیں، جو اپنے رب سے ڈرتے اور حساب کے برے نتائج سے خوف کھاتے ہیں۔

انسانی رشتوں کو جوڑنے والوں سے اللہ رشتہ جوڑے گا اور ان رشتوں کو کاٹنے والوں سے اللہ اپنا رشتہ منقطع کر لے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَلرَّحِمُ شُجْنَةٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَقَالَ اللّٰهُ مَنْ وَصَلَكِ وَصَلْتُهٗ وَمَنْ قَطَعَكِ قَطَعْتُهٗ۔ (بخاری)

رحم (خونی رشتہ) رحمٰن کی (رحمت) ہی کی ایک شاخ ہے، اللہ نے فرمایا، جو صلہ رحمی کرے گا میں اس سے اپنا رشتہ جوڑے رکھوں گا جو اس رشتہ کو کاٹ دے گا۔ میں بھی اس سے رشتہ کاٹ لوں گا۔

اور جس سے خدا رشتہ توڑ لے وہ جنت نہیں پا سکتا۔ حدیث میں ہے:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ۔ (بخاری، مسلم)

(رشتوں کو) توڑنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔

اعزّہ کے حقوق کی ادائی سے رزق اور عمر، دونوں میں برکت ہوتی ہے۔ حدیث میں ہے:

مَنْ اَحَبَّ اَنْ يُّبْسَطَ لَهٗ فِىْ رِزْقِهٖ وَيُنْسَأَلَهٗ فِىْ اَثَرِهٖ فَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ۔ (بخاری، مسلم)

جو شخص چاہتا ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی اور اس کی عمر میں درازی ہو، اُسے چاہیے کہ صلہ رحمی کرے، (اعزّہ کے حقوق ادا کرے)۔

صلہ رحمی یہ نہیں ہے کہ ہم دوسروں کے حسن سلوک کے بدلے میں حسن سلوک کریں۔ یہ تو بدلہ ہوا۔ صلہ رحمی یہ ہے کہ اعزّہ ہمارے حقوق ادا کریں یا نہ کریں، ہم بہر حال ان کے حقوق ادا کریں اور ان سے حسنِ سلوک کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ وَلٰكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِىْ اِذَاقُطِعَتْ رَحِمُهٗ وَصَلَهَا۔ (بخاری)

صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں ہے جو بدلے میں صلہ رحمی کرے۔ صلہ رحمی کرنے والا درحقیقت وہ ہے کہ جب اس سے رشتہ توڑ لیا جائے تو وہ رشتہ کا حق ادا کرے۔

صلہ رحمی کا یہ حکم مسلم اور غیر مسلم، دونوں کے سلسلے میں ہے۔

میاں بیوی کے حقوق

میاں بیوی کا رشتہ بھی بہت اہم رشتہ ہے۔ اس رشتے کی درستی پر دونوں کے سکون اور دونوں کی کامیابی اور اولاد کی تربیت اور اُس کے مستقبل کا بہت کچھ انحصار ہے۔ گھر کے نظام کی دُرستی کے لیے اللہ نے مرد کو ذمّے دار اور نگراں قرار دیا ہے اور عورت کو ہدایت کی ہے کہ وہ تمام جائز امور میں شوہر کی اطاعت کرے۔ قرآن مجید میں ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَافَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآاَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَاحَفِظَ اللّٰهُ ؕ (النساء: ۳۴)

مرد عورتوں کے ذمّہ دار و نگراں ہیں بوجہ اس کے کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر فوقیت بخشی ہے اور بوجہ اُس کے کہ انہوں نے اپنا مال خرچ کیا ہے تو نیک عورتیں (شوہروں کی) اطاعت کرنے والی اور اللہ کی حفاظت کے تحت ان کے پیٹھ پیچھے (ان کے مال وآبرو کی) حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں۔

اور مردوں کو ہدایت کی کہ وہ عورتوں کے حقوق ٹھیک ٹھیک ادا کریں اور ان سے نرمی اور شرافت سے پیش آئیں خواہ اُن کی کچھ باتیں انہیں ناپسند ہوں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ۝ (النساء:۱۹)

اوران سے شریفانہ برتاؤ کروتو اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو (جلد بازی نہ کرو) ہوسکتا ہے کہ تمہیں کوئی چیز ناپسند ہو اور اللہ اس میں تمہارے لیے بہت بہتری رکھ دے۔

اللہ نے رشتہ ازدواج کو محبت و رحمت کا رشتہ بنایا ہے:

وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ (الروم:۲۱)

اس نے تمہارے درمیان محبت و رحمت پیدا کی۔

اور اِس رشتے کو ایسا ہی ہونا چاہیے، رسول اللہ ﷺ کا اِرشاد ہے:

اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَآءِ خَيْرًا۔ (بخاری، مسلم)

عورتوں سے حسن سلوک کے بارے میں میری وصیت قبول کرو۔

اسلام کی نظر میں بہتر انسان وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہو۔ حدیث میں ہے:

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ وَاَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِيْ۔ (ترمذی، دارمی، ابن ماجہ)

تم میں بہترین آدمی وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہترین ہو اور میں اپنے گھر والوں کے لیے تم سب سے بہتر ہوں۔

تاریخِ انسانی میں ہم کسی انسان کو نہیں جانتے جو رسول اللہ ﷺ کی طرح انتہائی زاہد و عابد ہو، دعوتِ دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے اس کے شب و روز وقف ہوں، اس کی زندگی مشکلات و مصائب اور غزوات کی زندگی ہو، اس کے باوجود وہ اپنی بیویوں کے حقوق بہترین انداز میں ادا کرتا ہو اور ان کے لیے حسنِ سلوک اور ملاطفت و محبت کا پیکر ہو۔ ایک خدا ترس انسان اپنے گھر والوں کے لیے کتنا حسّاس، کتنا رحیم و شفیق اور کتنا صاحبِ ذوق ہوتا ہے، اس کے لیے رسول اللہ ﷺ کا اسوہ بہترین اُسوہ ہے اور اس کی تفصیلات حدیث اور سیرت کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔

اولاد کا حق

اِزدواجی زندگی کے نتیجے میں اللہ اولاد عطا فرمائے تو والدین کی ذمّے داری ہے کہ اللہ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ان کی پرورش و تربیت کریں۔ یہ مرد اور عورت، دونوں کی

ذمے داری ہے اور دونوں سے اس سلسلے میں باز پُرس ہوگی۔ ارشادِ نبوی ہے:

اَلَا کُلُّکُمْ رَاعٍ وَ کُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ فَالْاِمَامُ الَّذِیْ عَلَی النَّاسِ رَاعٍ وَھُوَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰی اَھْلِ بَیْتِہٖ وَھُوَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ وَالْمَرْأَةُ رَاعِیَةٌ عَلٰی بَیْتِ زَوْجِھَا وَوَلَدِہٖ وَھِیَ مَسْئُوْلَةٌ عَنْھُمْ۔ (بخاری، مسلم)

سنو! تم میں سے ہر آدمی ذمّہ دار اور نگراں ہے اور تم میں سے ہر شخص سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا تو جو شخص لوگوں کا امیر ہے وہ لوگوں کا نگراں ہے اور اس سے ان کے بارے میں سوال ہوگا اور مرد گھر والوں کا نگراں ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں باز پُرس ہوگی اور عورت شوہر کے گھر اور اس کی اولاد کی نگراں ہے اور اس سے ان کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

لڑکیوں کو لوگ بالعموم ناپسند کرتے ہیں، عرب اور کچھ دوسری قوموں میں ان کو زندہ درگور کرنے تک کے واقعات ہوتے تھے۔ قرآن مجید نے اس پر کتنے مؤثر انداز میں تنقید کی ہے:

وَاِذَاالْمَوْءٗ دَةُ سُئِلَتْ ۝ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝ (التکویر: ۸، ۹)

اور جب کہ (روزِ حشر) زندہ درگور لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس جرم میں قتل کی گئی۔

لڑکیوں کے قتل یا اِن کی ناقدری کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ کماتی نہیں ہیں بلکہ ان کا بار والدین پر آتا ہے۔ قرآن مجید نے اِس ذہن کی اصلاح کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَا تَقْتُلُوْآ اَوْلَادَکُمْ خَشْیَةَ اِمْلَاقٍ ط نَحْنُ نَرْزُقُھُمْ وَاِیَّاکُمْ ط اِنَّ قَتْلَھُمْ کَانَ خِطْأً کَبِیْرًا ۝ (الاسراء: ۳۱)

اپنی اولاد کو فقر و فاقہ کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم انھیں بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی۔ یقیناً ان کا قتل بہت بڑا گناہ ہے۔

اِسی ذہن کے پیشِ نظر رسول اللہ ﷺ نے لڑکیوں کی پرورش اور ان سے حسنِ سلوک پر زور دیا اور اس کا غیر معمولی اجر بیان فرمایا:

مَنْ عَالَ جَارِیَتَیْنِ حَتّٰی تَبْلُغَا جَاءَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اَنَا وَھُوَ ھٰکَذَا وَضَمَّ اَصَابِعَہٗ۔ (مسلم)

جس شخص نے دو لڑکیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ بالغ ہو گئیں، میں اور وہ قیامت کے روز قریب ہوں گے اور آپ نے انگلیوں کو ملا کر دکھایا کہ اتنے قریب۔

اللہ اکبر! لڑکیوں کی پرورش و تربیت کا کتنا غیر معمولی اجر ہے! لڑکیوں کی پرورش کے سلسلے میں اگر انسان کسی آزمایش یا ناگوار صورت حال سے دوچار ہو جائے تو اُسے یقین رکھنا چاہیے کہ یہ ناگوار صورت حال، اس سے بڑی ناگوار شے ـــــ جہنم سے اس کی نجات کا موجب بنے گی اگر اس کا رویہ لڑکیوں کے ساتھ حسن سلوک کا رہا۔ حدیث میں ہے:

مَنِ ابْتُلِیَ مِنْ هٰذِهِ الْبَنَاتِ بِشَیْءٍ فَاَحْسَنَ اِلَیْهِنَّ کُنَّ لَهٗ سِتْراً مِّنَ النَّارِ۔ (بخاری، مسلم)

جو شخص ان لڑکیوں کی وجہ سے کسی آزمائش سے دوچار ہوا اور وہ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے تو یہ لڑکیاں اُسے عذاب جہنم سے بچائیں گی۔

اولاد کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ اُسے اعلیٰ اخلاق و کردار سے آراستہ کرنے کی کوشش کی جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

مَانَحَلَ وَالِدٌ وَلَدَهٗ مِنْ نُحْلٍ اَفْضَلَ مِنْ اَدَبٍ حَسَنٍ۔

(ترمذی، بیہقی)

کسی باپ نے اپنے بیٹے کو اعلیٰ اخلاق سے بہتر کوئی عطیہ نہیں دیا۔

آدمی اپنی اولاد اور اپنے گھر کے لوگوں پر جو کچھ خرچ کرتا ہے، اگر وہ اللہ کی رضا کے لیے اور اس کے احکام کے مطابق کرتا ہے تو اس کی حیثیت انفاق فی سبیل اللہ کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

اِذَآ اَنْفَقَ الْمُسْلِمُ نَفَقَةً عَلٰی اَهْلِهٖ وَهُوَیَحْتَسِبُهَا کَانَتْ لَهٗ صَدَقَةً۔ (بخاری، مسلم)

جب مسلمان اپنے گھر والوں پر اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرتا ہے تو اس کا یہ خرچ صدقہ ہوتا ہے۔

ایک اور حدیث میں اس سے بھی آگے کی بات ہے:

اَفْضَلُ دِیْنَارٍ یُنْفِقُهُ الرَّجُلُ دِیْنَارٌ یُنْفِقُهٗ عَلٰی عِیَالِهٖ وَدِیْنَارٌ

يُنفِقُهٗ عَلٰى دَابَّتِهٖ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَدِيْنَارٌ يُنفِقُهٗ عَلٰى اَصْحَابِهٖ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ (مسلم)

سب سے بہتر دینار جو انسان خرچ کرتا ہے، وہ ہے جو وہ اپنے بال بچوں پر خرچ کرتا ہے، اور وہ ہے جو جہاد فی سبیل اللہ کے لیے اپنے جانور پر خرچ کرتا ہے اور وہ ہے جو اللہ کی راہ میں اپنے ساتھیوں پر خرچ کرتا ہے۔

یہ مخصوص اعزّہ کا ذکر ہے، ورنہ ہر عزیز ہماری مدد اور ہماری خدمت کا مستحق ہے۔ ایک اس لیے کہ وہ انسان ہے اور انسان ہونے کے ناتے ہماری ہم دردی و غم خواری کا حق رکھتا ہے اور دوسرے اس لیے کہ وہ ہمارا عزیز ہے اور ہماری ذمّے داری ہے کہ ہم اس سے صلہ رحمی کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَلصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِيْنِ صَدَقَةٌ وَهِيَ عَلٰى ذِي الرَّحِمِ ثِنْتَانِ صَدَقَةٌ وَّصِلَةٌ۔ (ترمذی، نسائی، ابن ماجه، دارمی، احمد)

غریب پر خرچ کرنا صدقہ ہے اور رشتہ دار پر خرچ کرنے کا دوہرا اجر ہے، وہ صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی۔

غیر مسلموں کے حقوق

بندوں کے حقوق کے سلسلے میں یہ بات بار بار آچکی ہے کہ اس کے لیے مسلمان ہونا شرط نہیں۔ ہر انسان، انسان ہونے کے ناتے انصاف، رحم اور حسنِ سلوک کا مستحق ہے۔ ہر بے کس و غریب، بے کس و غریب ہونے کے باعث ہماری ہم دردی کا حقدار ہے۔ ہر پڑوسی کے پڑوسی ہونے کی بنا پر ہم پر حقوق ہیں اور ہر عزیز ـــــ مسلمان ہو یا غیر مسلم ـــــ عزیز ہونے کی وجہ سے صلہ رحمی کا استحقاق رکھتا ہے۔ سورۂ ممتحنہ میں ہے:

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ

اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ (الممتحنة:۸، ۹)

اللہ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا جنہوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ نہیں کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ وہ تمہیں ان لوگوں سے دوستی کرنے سے روکتا ہے۔ جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ کی، تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے اور تمہارے گھروں سے تمہیں نکالنے میں مخالفین کی مدد کی ہے اور جو لوگ اُن سے دوستی کریں وہ ظالم ہیں۔

یہ آیتیں سورۂ ممتحنہ کی ہیں، اِس سورت میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اُن غیر مسلموں سے قطع تعلّق کر لیں، جو اُن سے مسلمان ہونے کی وجہ سے جنگ کرتے رہے ہیں، جنہوں نے ان کو ان کے وطن سے نکالا ہے یا جلاوطن کرنے میں مخالفین کی مدد کی ہے۔ بہ الفاظِ دیگر یہ حالتِ جنگ کے احکام ہیں اور محارب غیر مسلموں کے سلسلے میں ہیں۔ اِن شدید حالات میں بھی مسلمانوں کو ان غیر مسلموں سے حسنِ سلوک اور انصاف کرنے سے روکا نہیں گیا ہے جو ان سے برسرِ جنگ نہیں ہیں۔ مسلمان ان کے ساتھ انصاف کر سکتے ہیں بلکہ انہیں ایسا ہی کرنا چاہیے۔ خصوصاً انصاف کا دامن انہیں کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ جو لوگ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن اور اُن سے برسرِ جنگ ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان سے حسنِ سلوک اور انصاف کرنے سے نہیں روکا ہے۔ اس نے جس بات کی ممانعت کی ہے، وہ یہ ہے کہ ایسے لوگوں سے دوستی اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اُن سے وفاداری کی جائے۔

غیر مسلم ظلم و زیادتی کریں تو مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے، سورۂ شوریٰ میں ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ○ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ○ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ○ۭ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ○ (الشوریٰ:۳۹-۴۳)

اور جب ان پر زیادتی کی جاتی ہے تو وہ اس کا بدلہ لیتے ہیں اور برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے اور جو معاف کردے اور اصلاحِ حال کرے اس کا اجر اللہ کے ذمّے ہے۔ یقیناً اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا اور جو شخص ظلم کیے جانے کے بعد اس کا بدلہ لے اسے ملامت نہیں کی جاسکتی، ملامت و مواخذہ کے مستحق تو وہ لوگ ہیں جو انسانوں پر ظلم کرتے اور زمین پر ناحق زیادتی وسرکشی کرتے ہیں، اُن کے لیے دردناک عذاب ہے اور جو صبر سے کام لے اور معاف کردے اس کا کام اولوالعزمی کا کام ہے۔

اِن آیات سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ ظلم وزیادتی اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے، خواہ اس کا ارتکاب مسلمان کرے یا غیر مسلم۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ غیر مسلم اگر مسلمان پر ظلم وزیادتی کرے تو مسلمان کو اس کے ظلم کے بقدر اس سے بدلہ لینے کا حق ہے، لیکن اعلیٰ اخلاق وکردار کی بات یہ ہے کہ زیادتی کرنے والے سے بدلہ لینے کے بجائے اُسے معاف کردیا جائے۔ یہی بات متعدد دوسری سورتوں میں کہی گئی ہے۔

کہا جاسکتا ہے کہ سورۂ شوریٰ مکی سورت ہے اور اس میں جو احکام دیے گئے ہیں، وہ دعوت کے دور کے ہیں ـــــ اگرچہ ہندستان میں ہم دعوت ہی کے دور میں ہیں ـــــ مدینہ منوّرہ پہنچ کر جب کہ مشرکینِ مکّہ کے جنگ وقتال کے نتیجے میں جنگ وقتال کا حکم آگیا تھا:

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۨ (الحج: ۳۹)

جن لوگوں سے جنگ کی جاتی ہے اِن پر ظلم کیے جانے کے باعث انہیں (جنگ کی) اجازت دی جاتی ہے اور اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔

درگزر اور انصاف کا یہ حکم باقی نہیں رہا۔ لیکن ایسا خیال کرنا صحیح نہیں ہے، سورۂ بقرہ میں جنگ ہی کے احکام کے ذیل میں کہا گیا ہے:

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ؁ (البقرۃ: ۱۹۰)

جو لوگ تم سے جنگ کرتے ہیں اللہ کی راہ میں ان سے جنگ کرو اور ظلم وزیادتی نہ کرو، اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

دو تین آیات کے بعد پھر ارشاد ہوتا ہے:

فَمَنِ اعۡتَدٰی عَلَیۡکُمۡ فَاعۡتَدُوۡا عَلَیۡهِ بِمِثۡلِ مَا اعۡتَدٰی عَلَیۡکُمۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُتَّقِیۡنَ۝ (البقرة:۱۹۴)

تو جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اُس پر اتنی ہی زیادتی کرو جتنی اس نے کی ہے اور اللہ کی نافرمانی سے بچو اور اس سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔

یعنی بدلہ لینے میں خدا سے ڈرنا چاہیے اور حد سے تجاوز نہ کرنا چاہیے۔

واضح رہے کہ یہ حکم غیر مسلموں کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ اگر مسلمان کسی مسلمان پر ظلم وزیادتی کرے تو اس کا بھی یہی حکم ہے، مظلوم ظالم سے اس کے ظلم کی بقدر بدلہ لے سکتا ہے، لیکن ظلم وزیادتی کرنے والے کو معاف کردینا بدرجہا بہتر ہے۔ سورۂ بقرہ کی طرح سورۂ مائدہ بھی مدنی سورت ہے، اس سورت میں دشمن غیر مسلموں کے سلسلے میں حسب ذیل ہدایات دی گئی ہیں:

وَلَا یَجۡرِمَنَّکُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ عَلٰۤی اَلَّا تَعۡدِلُوۡا ؕ اِعۡدِلُوۡا ۟ هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰی ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ۝ (المائدة:۸)

اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر ہرگز آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو، انصاف کرو، یہی بات تقویٰ سے قریب تر ہے اور اللہ سے ڈرو، بلاشبہ اللہ ان تمام کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو!

انصاف ہی نہیں، زیادتی اور بدسلوکی کرنے والے غیر مسلموں سے حسنِ سلوک کرنے کی نصیحت کی گئی ہے سورۂ حٰمٓ سجدہ میں ہے:

وَلَا تَسۡتَوِی الۡحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ ؕ اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ فَاِذَا الَّذِیۡ بَیۡنَکَ وَبَیۡنَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیۡمٌ۝ (حٰمٓ السجدة:۳۴)

اچھائی اور برائی برابر نہیں ہوسکتے۔ تم برائی کو بہتر سے بہتر روش کے ذریعے دفع کرو تو تم دیکھو گے کہ جس سے دشمنی تھی وہ (ایک دن اچانک) تمہارا گہرا دوست بن گیا ہے۔

مسلمان کے حقوق

اسلام کا رشتہ سب سے اعلیٰ، سب سے گہرا اور سب سے مضبوط رشتہ ہے، یہ رشتہ جانی دشمنوں کو بھائی اور جگری دوست بنادیتا ہے، قرآن مجید میں ہے:

وَاذۡکُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَیۡکُمۡ اِذۡ کُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَیۡنَ

قُلُوۡبِکُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِہٖۤ اِخۡوَانًا ۚ (آل عمران: ۱۰۳)

اور اللہ کے کرم کو یاد کرو جو اُس نے تم پر کیا کہ تم باہم دشمن تھے تو اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا تو تم اس کے فضل وکرم سے بھائی بھائی بن گئے۔

اخوت اور بھائی چارہ کا یہ رشتہ ہر حال میں قائم رہنا چاہیے، اگر اتفاق سے دو مسلمانوں یا مسلمان گروہوں کے درمیان یہ رشتہ کمزور پڑ جائے یا ٹوٹ جائے تو باقی مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس رشتے کو بحال کرنے کی پوری کوشش کریں، قرآن مجید میں ہے:

وَاِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اقۡتَتَلُوۡا فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَہُمَا ۚ فَاِنۡۢ بَغَتۡ اِحۡدٰىہُمَا عَلَی الۡاُخۡرٰی فَقَاتِلُوا الَّتِیۡ تَبۡغِیۡ حَتّٰی تَفِیۡٓءَ اِلٰۤی اَمۡرِ اللّٰہِ ۚ فَاِنۡ فَآءَتۡ فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَہُمَا بِالۡعَدۡلِ وَاَقۡسِطُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُقۡسِطِیۡنَ ۝ اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَۃٌ فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَ اَخَوَیۡکُمۡ وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ۝ (الحجرات: ۹، ۱۰)

اگر اہلِ ایمان کے دو گروہ باہم لڑ پڑیں تو ان کے مابین صلح کرادو تو اگر ایک گروہ دوسرے گروہ پر ظلم و تعدی کرے تو اس سے لڑو یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف پلٹ آئے تو وہ اگر پلٹ آئے تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کرادو اور (ہر حال میں) انصاف کرو، یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ اہلِ ایمان تو بھائی بھائی ہی ہیں تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کرادو اور اللہ سے ڈرو اور اس کی نافرمانی سے بچو، امید ہے کہ (دنیا و آخرت میں) تم پر رحم کیا جائے گا۔

نزاع کو دور کرنے کا حکم دینے کے ساتھ اسلام نے اِس بات کی بھی ہدایت کی ہے کہ ان تمام باتوں سے پرہیز کیا جائے، جو اہلِ ایمان کے باہمی روابط کو خراب کرنے والی ہیں۔ چنانچہ ان آیات کے فوراً بعد ہے:

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا یَسۡخَرۡ قَوۡمٌ مِّنۡ قَوۡمٍ عَسٰۤی اَنۡ یَّکُوۡنُوۡا خَیۡرًا مِّنۡہُمۡ وَلَا نِسَآءٌ مِّنۡ نِّسَآءٍ عَسٰۤی اَنۡ یَّکُنَّ خَیۡرًا مِّنۡہُنَّ ۚ وَلَا تَلۡمِزُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ وَلَا تَنَابَزُوۡا بِالۡاَلۡقَابِ ؕ بِئۡسَ الِاسۡمُ الۡفُسُوۡقُ بَعۡدَ الۡاِیۡمَانِ ۚ وَمَنۡ لَّمۡ یَتُبۡ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ۝

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ۝ (الحجرات:۱۱،۱۲)

اے ایمان لانے والو! مرد مردوں کا مذاق نہ اڑائیں، جن کا مذاق اُڑایا جارہا ہے وہ کہیں اِن سے بہتر نہ ہوں جو مذاق اڑا رہے ہیں اور عورتیں عورتوں کا مذاق نہ اڑائیں، جو عورتیں مذاق اُڑا رہی ہیں اُن سے وہ عورتیں بہتر ہو سکتی ہیں جن کا مذاق اُڑایا جارہا ہے اور اپنے کو (اپنے بھائی مسلمان) کو طعنہ نہ دو اور ایک دوسرے کو بُرے ناموں سے نہ پکارو، ایمان لانے کے بعد برے نام رکھنا بہت ہی بری بات ہے اور جو توبہ نہ کریں وہ ظلم کرنے والے ہیں، اے ایمان لانے والو! بہت سے گمانوں سے بچو، یقیناً بعض گمان گناہ اور حق تلفی ہوتے ہیں اور عیب جوئی نہ کرو اور ایک آدمی دوسرے آدمی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تم اسے پسند کروگے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے مرے بھائی کا گوشت کھائے، یقیناً تم اس سے گِھن کروگے، اور اللہ کی نافرمانی سے بچو، بلاشبہ اللہ توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔

آیات سے واضح ہوتا ہے کہ یہ امور شنیعہ، جو اہل ایمان کے باہمی روابط کو تباہ کر دینے والے ہیں، اخلاقی جرائم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ جرائم خود اُس شخص کے ظاہر و باطن اور دنیا و آخرت کو تباہ کرنے والے ہیں جو ان کا مرتکب ہوتا ہے، ان کا ارتکاب کرنے والا اپنے بھائی مسلمانوں ہی پر ظلم نہیں ڈھاتا بلکہ خود اپنے اوپر بھی ظلم کرتا ہے، یہ اُمور انسانی فطرت کے بھی منافی ہیں اور ہر سلیم الطبع انسان کو اُن سے گِھن کرنا چاہیے، یہ امور خود ایمان کے بھی منافی ہیں۔

اونچ نیچ کا تصوّر اور نسلی فخر و غرور بھی اخوت و محبت کے لیے سمِ قاتل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لیے ان آیات کے فوراً بعد قرآن مجید نے اس پر بھی کاری ضرب لگائی اور بتایا کہ سب انسان ایک خدا کے پیدا کردہ اور ایک ہی جوڑے کی اولاد ہیں۔ ان کی نسل اور خاندان ایک ہی ہے۔ ان میں کوئی اونچ نیچ نہیں جو زیادہ نیک اور خدا ترس ہے وہ خدا کی نگاہ میں زیادہ معزز و شریف ہے، خواہ وہ دنیوی اعتبار سے کتنے ہی کمتر درجہ کا ہو:

يَـٰٓأَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوبًا

وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ (الحجرات:۱۳)

اے انسانو! ہم نے تم کو ایک ہی مرد وعورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں خاندانوں اور قبیلوں کی شکل دی تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، تم میں اللہ کے نزدیک زیادہ بزرگ اور شریف وہ ہے جو زیادہ خداترس ہے۔

اِن منفی ہدایات کے ساتھ قرآن مجید نے مثبت طور سے یہ بتایا ہے کہ اہل ایمان ایک دوسرے کے دوست اور رفیق ہوتے ہیں:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ (التوبة:۷۱)

مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے رفیق اور دوست ہوتے ہیں۔

ان میں باہم رحمت وشفقت کا تعلق ہوتا ہے:

رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (الفتح:۲۹)

وہ آپس میں رحیم وشفیق ہوتے ہیں۔

مسلمان مسلمان کے لیے سخت نہیں، نرم اور متواضع ہوتے ہیں:

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ (المائدۃ:۵۴)

وہ اہلِ ایمان کے لیے نرم اور جھکے ہوئے ہوتے ہیں۔

ان میں باہم اس قدر الفت ویگانگت اور اتحاد کی فضا ہوتی ہے کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند ہوتے ہیں اور نازک حالات میں بھی ان کی یہ حالت برقرار رہتی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝ (الصف:۴)

بلاشبہ اللہ ان لوگوں کو محبوب رکھتا ہے جو اس کی راہ میں صف بہ صف جنگ کرتے ہیں، گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

اِن آیات کی تشریح کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے مختلف احادیث میں مسلمانوں کے حقوق کی بہترین انداز میں نشاندہی کردی ہے۔ ہم ذیل میں ان میں سے چند جامع احادیث کا ذکر کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ۔ (بخاری، مسلم)

مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں۔

اِسلام سارے انسانوں کے لیے امن وسلامتی کا پیغام ہے، رسول اللہ ﷺ نے دنیا کے فرماں رواؤں کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے، اپنے خطوط میں فرمایا تھا:

اَسْلِمْ تَسْلَمْ۔ اِسلام لاؤ (دُنیا و آخرت میں) سلامتی پاؤ گے۔

جو لوگ اسلام قبول کرتے ہیں، ان کے لیے رسول اللہ ﷺ کے وعدے کے مطابق امن وسلامتی ہونی چاہیے اور اہل ایمان کا یہ فرض ہے کہ وہ رسول کے اس وعدے کو پورا کریں۔ جو شخص مسلمان ہوتے ہوئے اپنے قول یا عمل سے مسلمانوں کو نقصان یا دکھ پہنچاتا ہے، وہ اپنے رویّے سے ثابت کرتا ہے کہ اس کا اسلام (سلامتی کے دین) سے حقیقتاً تعلق نہیں ''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں۔'' کس قدر مختصر مگر کتنا جامع ہے یہ ارشاد! اس ارشاد میں ان تمام باتوں سے بچنے کی تلقین کی ہے، جس سے کسی مسلمان کو کسی قسم کا نقصان پہنچتا ہو یا دِل آزاری ہوتی ہو۔ یہ منفی بات ہوئی اور یہ خود بہت اہم اور جامع ہدایت ہے۔ مسلمان سے ہمارا تعلق کس نوعیت کا ہونا چاہیے؟ اس سلسلے کی مثبت ہدایت یہ ہے:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَایُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَایُحِبُّ لِنَفْسِہٖ۔ (بخاری، مسلم)

اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، کوئی بندہ صاحبِ ایمان نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی (مسلمان) کے لیے وہ نہ چاہے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔

کتنی اہم اور کتنی جامع ہے یہ حدیث۔ دنیا و آخرت کی جو ترقی، جو بلندی اور جو کامرانی ہم اپنے لیے چاہتے ہیں وہی ہم ہر مسلمان کے لیے چاہیں، یہ ہر مسلمان کا ہم پر حق ہے اور اِس حق کو ادا کیے بغیر ہم رسولؐ کی نگاہ میں مومن نہیں قرار پاتے۔

دین کی روح بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

عَنْ تَمِیْمِ ؓ الدَّارِمِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ الدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ ثَلَاثًا قُلْنَا لِمَنْ قَالَ لِلّٰہِ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِکِتَابِہٖ وَلِاَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِھِمْ۔ (مسلم)

تمیم داری سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا دین وفاداری اور خیر خواہی کا نام ہے، یہ آپ نے تین بار فرمایا، ہم نے پوچھا کس کی وفاداری؟ فرمایا اللہ کی، اس کی کتاب کی، اس کے رسول کی، مسلمانوں کے امراء کی اور عام مسلمانوں کی۔

گویا دین کی رُوح اور خلاصہ یہ ہے کہ مومن اللہ، اس کی کتاب اور اس کے رسول کی طرح مسلمانوں کا بھی وفادار و خیر خواہ ہو، ایک اور موقعے پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ وَمَنْ كَانَ فِيْ حَاجَةِ اَخِيْهِ كَانَ اللّٰهُ فِيْ حَاجَتِهٖ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (بخاری، مسلم)

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اُسے (ظلم سہنے کے لیے) بے یار و مددگار چھوڑ دیتا ہے اور جو اپنے بھائی کی حاجت برآری کرے گا اللہ اس کی حاجت برآری کرے گا اور جو کسی مسلمان کی کسی تکلیف کو دور کرے گا اللہ اس کی آخرت کی تکلیفوں کو دور کرے گا اور جو مسلمان کی عیب پوشی کرے گا اللہ آخرت میں اس کی عیب پوشی کرے گا۔

ایک اور روایت میں مسلمانوں کے حقوق کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

...بِحَسْبِ امْرِءٍ مِنَ الشَّرِّ اَنْ يُحَقِّرَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ۔ (مسلم)

آدمی کے گنہ گار ہونے کے لیے یہ بہت کافی ہے کہ وہ اپنے بھائی مسلمان کو حقیر سمجھے، مسلمان مسلمان پر پورے کا پورا حرام ہے، اس کا خون بھی، مال بھی، آبرو بھی۔

ایک اور حدیث میں اخوت کے تقاضے بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اِيَّاكُمْ وَالظَّنِّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ وَلَا تَحَسَّسُوْا وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَنَاجَشُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا۔ (بخاری، مسلم)

بدگمانی سے بچو، کیوں کہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے اور ٹوہ میں نہ لگو اور عیب جوئی نہ کرو اور ایک دوسرے کے خلاف نہ بھڑکاؤ اور باہم حسد نہ کرو، نہ ایک دوسرے سے دشمنی کرو، نہ ایک دوسرے کی کاٹ کرو اور اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بن جاؤ۔

اگر دو مسلمانوں کے تعلقات خراب ہو جائیں تو ان کے لیے تین دن سے زیادہ ترکِ تعلقات جائز نہیں، اس عرصے میں انہیں تعلقات بحال کر لینے چاہییں:

لَا یَحِلُّ لِلرَّجُلِ اَنْ یَّھْجُرَ اَخَاہُ فَوْقَ ثَلَاثَ لَیَالٍ یَلْتَقِیَانِ فَیُعْرِضُ ھٰذَا وَیُعْرِضُ ھٰذَا وَخَیْرُھُمَا الَّذِیْ یَبْدَءُ بِالسَّلَامِ۔

(بخاری، مسلم)

کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی (مسلمان) سے تین دن سے زیادہ ترکِ تعلق کرے، کہ دونوں ملیں تو ایک اِدھر منہ موڑ لے اور دوسرا اُدھر منہ موڑ لے اور ان میں سے بہتر وہ ہے جو سلام کی ابتدا کرے۔

مسلمان کو مسلمان کی ہر حال میں مدد کرنی چاہیے، اگر وہ مظلوم ہے تو اُسے ظالم کے پنجے سے چھڑانا چاہیے اور اگر ظالم ہے تو اس کی مدد یہ ہے کہ اُسے ظلم نہ کرنے دیا جائے:

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اُنْصُرْ اَخَاکَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا فَقَالَ رَجُلٌ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَنْصُرُہٗ مَظْلُوْمًا فَکَیْفَ اَنْصُرُہٗ ظَالِمًا قَالَ تَمْنَعُہٗ مِنَ الظُّلْمِ فَذَالِکَ نَصْرُکَ اِیَّاہُ۔

(بخاری، مسلم)

انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اپنے بھائی کی مدد کرو، ظالم ہو یا مظلوم، ایک آدمی نے پوچھا، اے اللہ کے رسول! وہ مظلوم ہے تو میں اس کی مدد کروں گا، لیکن جب وہ ظالم ہو تو میں اس کی کس طرح مدد کروں؟ فرمایا، اُسے ظلم سے روکو، یہ اُس کی مدد ہے۔

اگر کسی مسلمان کو دکھ پہنچے تو سب مسلمانوں کو دکھ ہونا چاہیے:

تَرَی الْمُؤْمِنِیْنَ فِیْ تَرَاحُمِھِمْ وَتَوَادِّھِمْ وَتَعَاطُفِھِمْ کَمَثَلِ الْجَسَدِ اِذَااشْتَکٰی عُضْوٌ تَدَاعٰی لَہٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّھَرِ وَالْحُمّٰی۔

(بخاری، مسلم)

تم دیکھو گے کہ اہل ایمان ایک دوسرے پر رحم کھانے، محبت کرنے اور شفقت وملاطفت کرنے میں ایک جسم کی طرح ہیں کہ جب جسم کا کوئی عضو بیمار ہو جاتا ہے تو سارا بدن بے خوابی اور بخار سے اس کا ساتھ دیتا ہے۔

مسلمانوں کے باہمی روابط ایسے ہونے چاہئیں کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمانوں سے تقویت پائے اور ان کے لیے تقویت کا موجب بنے، اس طرح کہ کوئی مسلمان کارزار حیات

میں تنہا نہ ہو۔ بلکہ بہت سے مسلمان اس کے پشت پناہ ہوں:

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ کَالْبُنْیَانِ یَشُدُّ بَعْضُہٗ بَعْضًا ثُمَّ شَبَّکَ بَیْنَ اَصَابِعِہٖ۔ (بخاری، مسلم)

ابوموسیٰؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا، مؤمن مؤمن کے لیے ایسا ہوتا ہے جیسے دیوار کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو مضبوط بناتا ہے، پھر آپ نے اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں ڈالا کہ ایسے۔

مسلمان پر مسلمان کے حقوق بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لِلْمُؤْمِنِ عَلَی الْمُؤْمِنِ سِتُّ خِصَالٍ یَعُوْدُہٗ اِذَا مَرِضَ وَ یَشْھَدُہٗ اِذَا مَاتَ وَیُجِیْبُہٗ اِذَا دَعَاہُ وَیُسَلِّمُ عَلَیْہِ اِذَا لَقِیَہٗ وَیُشَمِّتُہٗ اِذَا عَطَسَ وَیَنْصَحُ لَہٗ اِذَاغَابَ اَوْشَھِدَ (نسائی)

مومن کے مومن پر چھ حق ہیں، بیمار ہو تو عیادت کرے، مرجائے تو جنازے میں جائے، دعوت دے تو اسے قبول کرے، ملاقات ہو تو سلام کرے، چھینکے تو یَرْحَمُکَ اللّٰہ کہے اور موجود ہو یا غیر حاضر، ہر حال میں اس کا بھلا چاہے۔

اخلاق وکردار

ایمان کے بعد اسلام میں جس چیز کی سب سے زیادہ اہمیت ہے، وہ انسان کا کردار اور اس کا عمل ہے۔ دراصل اسلام نام ہی ہے ایمان اور عمل صالح کا۔ اسی لیے دنیا و آخرت میں اللہ کے سارے وعدے ایمان اور ''عملِ صالح'' کے ساتھ مشروط ہیں۔ قرآن مجید میں ایمان کے ساتھ بے شمار جگہ ''عمل صالح'' کا ذکر آیا ہے۔ ہم ذیل میں صرف چند آیات درج کرتے ہیں:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ ج وَلَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ o (البقرة: ٦٢)

جو لوگ مومن ہوئے، جو یہودی ہوئے اور جو عیسائی اور صابی ہیں، ان میں سے جو (سچ مچ) اللہ اور آخرت پر ایمان لائیں گے اور صالح اعمال کریں گے، ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور آخرت میں انہیں کوئی خوف ہوگا، نہ وہ غم سے دوچار ہوں گے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کو کسی گروہ سے محبت یا نفرت نہیں، وہ تو یہ چاہتا ہے کہ انسان ایمان اور عمل صالح کی بے بہا نعمتوں سے اپنے دامن بھر لیں، جو عاقبت اندیش انسان ایسا کریں گے وہ آخرت میں اللہ کے عذاب سے محفوظ اور اس کے اجر کے مستحق ہوں گے:

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا ط وَعْدَ اللّٰہِ حَقًّا ط وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلًا o لَیْسَ بِاَمَانِیِّکُمْ وَلَآ اَمَانِیِّ اَھْلِ الْکِتٰبِ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءً ا یُّجْزَ بِہٖ لا وَلَا یَجِدْ لَہٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلِیًّا

وَّلَانَصِیْرًاo وَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَکَرٍاَوْاُنْثٰی وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا یُظْلَمُوْنَ نَقِیْرًاo

(النساء:١٢٢-١٢۴)

جولوگ ایمان لائے اور جنہوں نے صالح اعمال کیے انہیں ہم ایسی جنتوں میں جگہ دیں گے جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہونگی، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہ اللہ کا سچا اور پکاّ وعدہ ہے اور اللہ سے بڑھ کر سچ بات کہنے والا اور کون ہوسکتا ہے؟ نہ تمہاری خوش فہمیوں سے کچھ ہوتا ہے اور نہ اہل کتاب کی، جو شخص بھی برے کام کرے گا، سزا پائے گا اور اللہ کے سوا کوئی کارساز و مددگار اُسے نہ ملے گا (جو اُسے سزا سے بچا سکے) اور جو کوئی نیک کام کرے گا (مرد ہو یا عورت) بشرطے کہ وہ مؤمن ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا اور اس پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا۔

اِن آیات سے کئی باتیں واضح ہوئیں۔ایک یہ کہ ایمان اور عملِ صالح کی یقینی جزا جنت اور اس کی ابدی نعمتیں ہیں، دوسرا یہ کہ مومن کا معمولی سے معمولی نیک عمل بھی رائیگاں نہ جائے گا، تیسری یہ کہ بدکرداری کی سزا مل کر رہے گی (اِلّا یہ کہ انسان اِس سے توبہ کرلے) خدا کی اِس سزا سے انسان کو خدا کے سوا کوئی بچا نہیں سکتا۔

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّکَ ثَوَابًا وَّخَیْرٌ اَمَلًاo (الکھف:۴٦)

مال اور اولاد (بس) دُنیوی زندگی کی آرائش ہیں اور باقی رہنے والے نیک اعمال تمہارے رب کے نزدیک ثواب اور توقع کے لحاظ سے (اُن سے) کہیں بہتر ہیں۔

معلوم ہوا کہ دولت اور اولاد تو سطحی اور نمایشی چیزیں ہیں، یہ تھوڑا بہت کام آ بھی سکتی ہیں تو صرف دنیا میں، آخرت میں وہ ذرا بھی کام آنے والی نہیں، دنیا و آخرت، دونوں میں کام آنے والے اور خدا کے یہاں قدر و قیمت کے مستحق صرف نیک اعمال ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّاo

(مریم:٩٦)

جولوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے خدائے مہربان ان کے لیے (دلوں میں) محبت پیدا کردے گا۔

دینِ حق کی راہ مخالفتوں اور کشمکشوں کی راہ ہے مگر یہ آیت بتاتی ہے کہ کوئی گروہ ایمان اور عملِ صالح کی صفات رکھتا ہو تو مخالفتیں بالآخر ختم ہو جاتی ہیں، لوگ حق اور داعیانِ حق کو پہچان لیتے ہیں اور ان کی عداوت محبت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا (النور: ۵۵)

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے صالح اعمال کیے اللہ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ انہیں زمین میں خلافت عطا فرمائے گا جس طرح کہ ان سے پہلے کے لوگوں کو عطا فرمائی تھی اور جو دین اُس نے ان کے لیے پسند فرمایا ہے، اُسے غلبہ بخشے گا اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔ وہ میری بندگی کریں گے، میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔

ان آیات سے واضح ہوا کہ خلافت الٰہی اسی گروہ کو ملتی اور دین کا غلبہ اسی گروہ کے ہاتھوں ہوتا ہے جو ایمان اور عمل صالح کی اعلیٰ صفات اپنے اندر رکھتا ہو، جو گروہ یہ صفات پیدا کرلے گا، دنیا میں بالآخر اسے امن وامان ملے گا، اُس کے ہاتھوں دین غالب ہوگا اور وہ خلافت الٰہی کا مستحق قرار پائے گا۔

''عملِ صالح''، کسی مخصوص نیکی کا نام نہیں ہے، عملِ صالح یہ ہے کہ مومن اپنی پوری زندگی میں اللہ کی رضا جوئی اور اس کے رسول کی پیروی کی راہ اختیار کرے، اِس صورت میں اس کی پوری زندگی ''عملِ صالح'' بن جائے گی، اس کا سونا، جاگنا، کھانا پینا، کمانا، بال بچوں کو پالنا حتیٰ کہ بیوی سے ہم بستر ہونا، سب ''عمل صالح'' قرار پائے گا اور سب پر وہ اللہ کے اجر کا مستحق ہوگا۔ حدیث میں ہے:

طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ (شعب الایمان بیہقی)

حلال کمائی کی تلاش فرض کے بعد فرض ہے۔

حدیث میں سورۂ جمعہ کی اِس آیت کی طرف اشارہ ہے:

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ

فَضْلِ اللّٰہِ وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَo(الجمعہ :۱۰)

تو جب نمازِ (جمعہ) ختم ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل (حلال رزق) تلاش کرو اور اللہ کو بہت یاد کرو، امید ہے کہ تم فلاح پاؤ گے۔

یعنی جس طرح نماز کے وقت نماز فرض ہے، اسی طرح نماز سے فراغت کے بعد حلال کمائی کا حصول فرض ہے، جو اللہ کے فضل سے ملتی ہے۔ البتہ حصولِ رِزق کی تگ ودو میں ضروری ہے کہ انسان اللہ کو زیادہ سے زیادہ یاد رکھے تاکہ وہ حرام کمائی اور دولتِ دنیا کی محبت سے بچا رہے اور جب مالِ دنیا پائے تو اُسے اللہ کے حکم کے مطابق صحیح کاموں میں خرچ کرے۔ صرف اسی طرح انسان فلاح وکامرانی پا سکتا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

دِیْنَارٌ اَنْفَقْتَہٗ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَدِیْنَارٌ اَنْفَقْتَہٗ فِیْ رَقَبَۃٍ وَدِیْنَارٌ تَصَدَّقْتَ بِہٖ عَلٰی مِسْکِیْنٍ وَدِیْنَارٌ اَنْفَقْتَہٗ عَلٰی اَھْلِکَ اَعْظَمُھَا اَجْرًا الَّذِیْ اَنْفَقْتَہٗ عَلٰی اَھْلِکَ۔ (مسلم)

دینار، (اشرفی) جو تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو، دینار، جو تم غلام کو آزاد کرانے میں خرچ کرو، دینار، جو تم کسی غریب پر صدقہ کرو اور دینار جو تم گھر کے افراد پر خرچ کرو، اِن میں سب سے زیادہ اجر اُس دینار پر ملے گا جو تم اپنے بال بچوں پر خرچ کرو گے۔

یعنی جو شخص اپنی حلال کمائی سے اللہ کی رضا کے لیے اُمورِ خیر میں خرچ کرتا رہتا ہے اور ساتھ ہی اپنے بال بچوں کا حق بھی ادا کرتا ہے اُسے بال بچوں پر خرچ کرنے کا غیر معمولی اجر ملے گا۔ ایک اور حدیث میں ہے:

اِنَّ بِکُلِّ تَسْبِیْحَۃٍ صَدَقَۃً وَکُلِّ تَکْبِیْرَۃٍ صَدَقَۃً وَکُلِّ تَحْمِیْدَۃٍ صَدَقَۃً وَکُلِّ تَھْلِیْلَۃٍ صَدَقَۃً وَاَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَۃً وَنَھْیٍ عَنْ مُنْکَرٍ صَدَقَۃً وَفِیْ بُضْعِ اَحَدِکُمْ صَدَقَۃً قَالُوْا: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَیَاْتِیْ اَحَدُنَا شَھْوَتَہٗ وَیَکُوْنُ لَہٗ فِیْھَا اَجْرٌ؟ قَالَ اَرَأَیْتُمْ لَوْ وَضَعَھَا فِیْ حَرَمٍ اَکَانَ عَلَیْہِ فِیْھَا وِزْرٌ؟ فَکَذَالِکَ اِذَا وَضَعَھَا فِی الْحَلَالِ کَانَ لَہٗ اَجْرٌ۔ (مسلم)

ہر تسبیح (سبحان اللہ) میں نیکی ہے، ہر تکبیر (اللہ اکبر) میں نیکی ہے، ہر تحمید (الحمد للہ) میں نیکی ہے۔ ہر تہلیل (لا الہ الا اللہ) میں نیکی ہے، نیکی کے حکم کرنے میں نیکی ہے، برائی سے روکنے میں نیکی ہے، تمہاری شرمگاہ (کے صحیح استعمال) میں نیکی ہے صحابہؓ نے پوچھا، اے اللہ کے رسول! ہم میں کا کوئی آدمی اپنی شہوانی خواہش پوری کرتا ہے تو اُس میں بھی اسے ثواب ملتا ہے؟ فرمایا، سوچو تو سہی! اگر شرم گاہ کو وہ حرام جگہ استعمال کرتا تو اُسے گناہ ہوتا یا نہیں ایسے ہی جب اُسے حلال جگہ برتا تو اُسے اجر ملے گا۔

اللہ اکبر! یہ ہے اللہ کی شانِ کریمی! جائز طریقے سے خواہش پوری کرو تو بھی اجر۔ یہ ہے ''عملِ صالح''! جو کام کرو اللہ کی رضا جوئی کے لیے، اُس کی اور اُس کے رسول کی اِطاعت وفرمانبرداری کرتے ہوئے، اللہ کی حدود کے اندر رہتے ہوئے کرو۔

''عملِ صالح'' کا اوّلین اور بنیادی جزء یہ ہے کہ انسان کا تعلق اللہ سے صحیح ہو۔ اللہ سے تعلق کی تفصیلات 'تعلق باللہ' کے عنوان کے تحت آچکی ہیں۔

عمل صالح کا دوسرا اہم اور بنیادی جزء بندوں کے حقوق کی ادائی ہے۔ حقوق العباد کی تفصیلات بھی ''بندوں کے حقوق'' کے عنوان کے تحت آچکی ہیں۔

عملِ صالح کا تیسرا اہم اور بنیادی پہلو وہ ہے، جسے عام طور سے ''اخلاق'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ذیل میں ہم 'اخلاق' پر تھوڑی سی روشنی ڈالیں گے۔

دین میں اخلاق کی کیا اہمیت ہے؟ اِس کا اندازہ اِس بات سے ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بعثت کی غرض بیان کرتے ہوئے فرمایا:

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ (مؤطا، احمد) وَفِیْ رِوَایَةٍ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔

مجھے اس لیے مبعوث کیا گیا ہے کہ میں حسن اخلاق (یا اعلیٰ اور شریفانہ اخلاق) کی تکمیل کروں۔

اور آپ نے یہی کیا، آپ نے اخلاقی اصولوں کو بہت وضاحت سے بیان کیا، ان کی فضیلت واہمیت واضح کی، پوری زندگی میں انھیں جاری ونافذ کیا، دوسرے ان اُصولوں پر عمل کرتے ہیں یا نہیں، یہ دیکھے بغیر ان اصولوں پر عمل کرنے کی ہدایت کی، نفع اور نقصان کی پروا کیے بغیر اخلاقی اصولوں کے التزام کا حکم دیا اور انہیں ذات، برادری، خاندان، ملک، قوم ہر ایک کے مفاد سے

بالاتر قرار دیا اور نوعِ انسانی کو ایک ایسا نظامِ زندگی بخشا اور خود اُسے قائم کیا اور ملّتِ اسلامیہ کو اُسے قائم و نافذ کرنے پر مامور کیا جس کے ہر ہر جزء میں اخلاقی قدروں کو سمو دیا گیا ہے۔ ساتھ ہی اخلاقی تعلیمات پر اپنی زندگی میں عمل کر کے ایک ایسا مثالی نمونہ پیش کیا، جس کی انسانی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو صاحبِ خلقِ عظیم قرار دیا ہے:

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍo (القلم: ۴)

اور یقیناً تم عظیم اخلاق کے حامل ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں سب سے بہتر انسان وہ ہے جس کے اخلاق بہتر ہوں:

اِنَّ مِنْ خِیَارِکُمْ اَحْسَنَکُمْ اَخْلَاقاً (بخاری ومسلم)

تم میں بہترین افراد وہ ہیں جو اخلاق کے اعتبار سے بہتر ہوں۔

اور ایسے ہی لوگ اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ محبوب ہیں۔ حدیث میں ہے:

اِنَّ مِنْ اَحَبَّکُمْ اِلَیَّ اَحْسَنَکُمْ اَخْلَاقاً (بخاری)

مجھے تم میں وہ لوگ زیادہ محبوب ہیں جو بہترین اخلاق کے حامل ہیں۔

اب ہم قرآن وحدیث کی روشنی میں بنیادی اخلاقی تعلیمات کا ذکر کریں گے۔

انصاف دین کی سب سے اہم اور بنیادی تعلیم ہے۔ انصاف یہ ہے کہ انسان اللہ کے اور اس کے بندوں کے حقوق ٹھیک ٹھیک ادا کرے اور ظلم یہ ہے کہ وہ اللہ کا یا اس کے کسی بندے کا کوئی حق تلف کرے، شرک کو قرآن مجید میں اسی لیے "ظلمِ عظیم" کہا گیا ہے کہ وہ اللہ کی سب سے بڑی حق تلفی ہے۔ ظلم یہ بھی ہے کہ اللہ کی نافرمانی کر کے انسان خود اپنے اوپر ظلم کرے اور اپنی دنیا وآخرت اپنے ہاتھوں تباہ کر لے، قرآن مجید میں ظلم کا لفظ زیادہ تر اسی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے:

وَمَاظَلَمْنَاهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ (ھود: ۱۰۱)

اور ہم نے (عذاب دے کر) ان پر ظلم نہیں کیا (بغاوت ونافرمانی کر کے) انھوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔

"بندوں کے حقوق" میں انصاف اور ظلم کا ذکر تفصیل سے آچکا ہے۔ رحم، حسنِ سلوک اور خدمتِ خلق دین کی ایک اور اہم اور بنیادی تعلیم ہے اور اس کا بھی "بندوں کے حقوق" میں تفصیل سے ذکر ہو چکا ہے۔

سچائی

راست گوئی اور راست بازی دین کی ایک اور اہم اور بنیادی تعلیم ہے، آدمی ہر حال میں سچ بولے، وہ راست رو اور راست باز ہو، اس کا ظاہر و باطن یکساں ہو، ایمان کا سچا، کردار کا سچا، گفتار کا سچا، سراپا راستی و صداقت!

جو شخص یہ طے کر لیتا ہے کہ وہ ہمیشہ سچ بولے گا اور جھوٹ کے پاس نہ پھٹکے گا، اس کے لیے بدی سے بچنا اور نیکی کی راہ پر چلنا آسان ہو جاتا ہے۔ سچ بولنے کے نتیجے میں اس کا باطن پاک اور اس کا کردار پختہ بن جاتا ہے۔ وہ جھوٹ بول کر اپنی غلطیوں کو چھپا نہیں سکتا اور مومن ہونے کے باعث علانیہ جرائم کا ارتکاب نہیں کر سکتا۔ جھوٹ بولنے والا انسان نہ صرف یہ کہ اپنے باطن کو ناپاک اور اپنے کردار کو خراب کر لیتا ہے بلکہ اپنے لیے بہت سی بُرائیوں کا راستہ کھول لیتا ہے۔ کیوں کہ وہ جھوٹ بول کر بہت سی برائیوں کا ارتکاب بہ آسانی کر لیتا ہے اور انھیں چھپا بھی لیتا ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِىْ اِلَى الْبِرِّ وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِىْ اِلَى الْجَنَّةِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ صِدِّيْقًا وَاِيَّاكُمْ وَالْكِذْبَ فَاِنَّ الْكِذْبَ يَهْدِىْ اِلَى الْفُجُوْرِ وَاِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِىْ اِلَى النَّارِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكِذْبَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ كَذَّابًا۔ (بخاری، مسلم)

راست گوئی اختیار کرو کیوں کہ راست گوئی نیکی و حق شناسی کی طرف لے جاتی ہے اور نیکی و حق شناسی جنت تک پہنچاتی ہے اور انسان ہمیشہ سچ بولتا اور سچائی کی تلاش میں رہتا ہے یہاں تک کہ خدا کے یہاں صدّیق لکھ دیا جاتا ہے اور جھوٹ سے دور بھاگو کیوں کہ جھوٹ خدا کی نافرمانی کی طرف لے جاتا ہے اور خدا کی نافرمانی جہنم کی طرف لے جاتی ہے اور آدمی جھوٹ بولتا اور جھوٹ کے درپے رہتا ہے یہاں تک کہ وہ خدا کے یہاں کذّاب لکھ دیا جاتا ہے۔

جھوٹی گواہی اور جھوٹی قسم بھی جھوٹ ہی کی ایک قسم ہے، بدترین قسم۔ حدیث میں ہے:

اَلْکَبَائِرُ الْاِشْرَاکُ بِاللّٰہِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ وَقَتْلَ النَّفْسِ وَالْیَمِیْنُ الْغَمُوْسُ وَفِی رِوَایَۃٍ شَھَادَۃُ الزُّوْرِ (بخاری، مسلم)

سب سے بڑے گناہ یہ ہیں: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، والدین کی حق تلفی ونافرمانی، کسی شخص کو (ناحق) قتل کرنا اور جھوٹی قسم کھانا، ایک روایت میں ہے، جھوٹی گواہی دینا۔

قرآنِ مجید نے سچائی کو اہلِ ایمان کی بنیادی صفات میں شمار کیا ہے:

اَلصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْمُنْفِقِیْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِo (آل عمران: ۱۷)

(اہلِ ایمان) صبر کرنے والے، سچ بولنے والے، اطاعت کرنے والے، (راہِ خدا میں) خرچ کرنے والے اور سحر کے وقت توبہ واستغفار کرنے والے ہوتے ہیں۔

یہی نہیں، قرآن مجید نے راست بازی کو عین دین قرار دیا ہے کیوں کہ دین اِس کے سوا کچھ نہیں کہ انسان سرتاپا اللہ کا سچا بندہ ہو، سورۂ بقرہ میں اہلِ ایمان کی صفات بیان کرنے کے بعد فرمایا:

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْاط وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَo (البقرۃ:۱۷۷)

جو لوگ یہ صفات رکھتے ہیں وہی (دعویٔ ایمان میں) سچے ہیں اور وہی خدا ترس ومتقی ہیں۔

اللہ کی راہ میں جان ومال کی قربانیاں دے کر آدمی یہ ثابت کرسکتا ہے کہ وہ اپنے دعویٔ ایمان میں سچا ہے، قرآنِ مجید میں ہے:

مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاھَدُوا اللّٰہَ عَلَیْہِ ج فَمِنْھُمْ مَّنْ قَضٰی نَحْبَہٗ وَمِنْھُمْ مَّنْ یَّنْتَظِرُ صلے وَمَابَدَّلُوْا تَبْدِیْلًاo (الاحزاب:۲۳)

اہلِ ایمان میں کتنے ہی ایسے آدمی ہیں جنہوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا اس میں وہ سچے تھے تو ان میں سے کچھ نے (جان ومال دے کر) اپنی نذر پوری کردی اور کچھ منتظر ہیں اور انہوں نے تبدیلی نہیں کی۔

جو اہلِ ایمان سراپا صدق وصفا اور سرتاپا ایمان وکردار ہوتے ہیں، قرآن انہیں ''صدّیق'' کے معزز نام سے پکارتا ہے، جن کا درجہ انبیاء کرام کے بعد ہی ہوتا ہے:

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ

عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيۡقِيۡنَ، وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيۡنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيۡقًاؕ (النساء:۶۹)

اور جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے (خصوصی) کرم و فضل کیا ہے یعنی نبی، صدّیق، شہید اور صالح اور یہ لوگ اچھے ساتھی ہیں۔

مسلمان اگر راست باز اور سچے مسلمان بننا چاہتے ہیں تو ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ راست باز اور سچے اہلِ ایمان کی رفاقت و معیت اختیار کریں، قرآن مجید میں ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِيۡنَo (التوبۃ:۱۱۹)

اے ایمان لانے والو! اللہ کی نافرمانی سے بچو اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

سچے ایمان کے مقابلے میں جھوٹا ایمان ہوتا ہے۔ جھوٹا ایمان یہ ہے کہ زبان جس دین و ایمان کا اظہار کرے، دِل اور زندگی اُس سے خالی ہو۔ قرآن اسے نفاق کہتا ہے:

اِذَا جَآءَكَ الۡمُنٰفِقُوۡنَ قَالُوۡا نَشۡهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوۡلُ اللّٰهِ‌ۘ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوۡلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشۡهَدُ اِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ لَكٰذِبُوۡنَo

(المنافقون:۱)

جب منافق تمہارے پاس آئیں گے تو کہیں گے، ہم گواہی دیتے ہیں کہ تم اللہ کے رسول ہو اور اللہ جانتا ہے کہ تم اللہ کے رسول ہو اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں!

ایفائے عہد

اسلام کی ایک اور اہم اور بنیادی تعلیم ایفائے عہد ہے۔ اللہ سے بندۂ مومن نے بندگی کا جو عہد کیا ہے اُسے پورا کرنا عین دین ہے اور یہ عہد جان و مال سب کچھ قربان کر کے پورا کیا جانا چاہیے۔ سچے اہلِ ایمان کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ رِجَالٌ صَدَقُوۡا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيۡهِ‌ۚ فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ قَضٰى نَحۡبَهٗ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّنۡتَظِرُ‌ ۖ وَمَا بَدَّلُوۡا تَبۡدِيۡلًا ۙo

(الاحزاب:۲۳)

اہل ایمان میں کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جنھوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا اُس میں وہ سچے تھے تو ان میں سے کچھ نے تو اپنی نذر پوری کردی (جان دے دی) اور کچھ منتظر ہیں اورانھوں نے (عہد میں) کوئی تبدیلی نہیں کی۔

خدا سے عہدِ بندگی کر کے اُسے توڑنا انتہائی خطرناک ہے، یہود نے اِسی جرم کا ارتکاب کیا اور وہ دنیاوآخرت میں خدا کی رحمت سے دور پھینک دیے گئے، قرآن مجید میں ہے:۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَاقُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ (المائدۃ:١٣)

تو ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے انھیں اپنی رحمت سے دور پھینک دیا اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔

یہ اللہ سے کیے ہوئے عہد کا معاملہ ہے، اِسی طرح انسانوں سے کیے ہوئے عہد کا ایفاء بھی مسلمانوں کی ذمے داری ہے بشرطے کہ یہ عہد جائز ہو، قرآن مجید میں ہے:

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْجَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (النحل:٩١)

اور اللہ کے عہد کو پورا کرو جب بھی تم عہد کرو اور قسموں کو پختہ کرنے کے بعد نہ توڑو جب کہ تم اللہ کو اپنے اوپر نگراں (اور گواہ) بنا چکے ہو، اللہ اُن تمام کاموں کو جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔

یعنی عہد کو ہر حال میں پورا کرو خصوصاً اُس وقت جب تم اللہ کو درمیان میں ڈال کر اور اس کی قسم کھا کر کسی سے وعدہ کرتے ہو، اِس کے بعد تم عہد شکنی کی جرأت کیسے کرتے ہو!

عہد، خدا سے ہو یا بندوں سے، آخرت میں اِس کے بارے میں باز پرس ہوگی:

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ۝ (بنی اسرآئیل:٣٤)

اور عہد کو پورا کرو، یقیناً عہد کے بارے میں (آخرت میں) باز پرس ہوگی۔

امانت داری

اسلام کی ایک اور اہم اور بنیادی تعلیم امانت داری ہے۔ اسلام کی رو سے یہ پوری زندگی اور انسان کے تمام ذرائع ووسائل اللہ کی ملکیت اور انسان کے پاس اللہ کی امانت ہیں، اِس

امانت میں انسان کو اللہ کی مرضی کے مطابق تصرف کرنا اور آخرت میں اللہ کی عدالت کے روبرو اس بات کی جواب دہی کرنا ہے کہ اس نے اس امانت میں اللہ کی مرضی کے مطابق تصرف کیا اور امین ثابت ہوا یا اپنی مرضی چلائی اور خائن ثابت ہوا۔ یہ اللہ کی امانت ہے، اس کے علاوہ انسانوں کی امانتیں ہیں، جو وہ ہمارے پاس رکھتے ہیں، یا کچھ ڈیوٹیاں ہم پر عائد کرتے اور ہم انھیں قبول کر لیتے ہیں یا اپنے کچھ راز ہم پر ظاہر کرتے ہیں، یہ سب امانتیں ہیں اور مومن کی ذمّے داری ہے کہ وہ اللہ کی امانت کی طرح ان میں بھی خیانت نہ کرے، قرآنِ مجید میں ہے:

یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَخُوْنُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِکُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ٥ (الانفال:۲۷)

اے ایمان لانے والو! اللہ اور رسول کی خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو جانتے بوجھتے!

اہل ایمان کی صفات بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمٰنٰتِھِمْ وَعَھْدِھِمْ رٰعُوْنَ٥ (المؤمنون:۸)

اور یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی امانتوں اور عہدوں کا پاس و لحاظ رکھتے ہیں۔

اہلِ نفاق کی صفات بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَرْبَعٌ مَنْ کُنَّ فِیْہِ کَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَمَنْ کَانَتْ فِیْہِ خَصْلَۃٌ مِّنْھُنَّ کَانَتْ فِیْہِ خَصْلَۃٌ مِّنَ النِّفَاقِ حَتّٰی یَدَعَھَا اِذَااؤْتُمِنَ خَانَ وَاِذَاحَدَّثَ کَذَبَ وَاِذَاعَاھَدَ غَدَرَ وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ۔

(بخاری، مسلم)

چار عادتیں ہیں، جس کسی میں یہ چاروں عادتیں ہوں، وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان میں سے کوئی ایک خصلت ہو تو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی، یہاں تک کہ اُسے چھوڑ دے، امانت رکھی جائے تو خیانت کرے، بات کرے تو جھوٹ بولے، عہد کرے تو عہد شکنی کرے اور، جھگڑا ہو جائے تو اللہ کی نافرمانی (یا گالی گلوچ) پر اتر آئے۔

خیانت، دروغ گوئی، عہد شکنی اور جھگڑے میں حق و انصاف سے ہٹ کر بدزبانی پر اُتر آنا، یہ ایسی عادتیں ہیں جو رسول کی زبان میں انسان کو "خالص منافق" بنا دیتی ہیں کہ وہ کہنے کا مسلمان ہوتا ہے مگر حقیقتاً نہیں ہوتا، کتنی خطرناک ہیں یہ عادتیں! اس سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ اس

کے برعکس عادات، امانت داری، راست گوئی، ایفائے عہد اور دشمنی میں بھی حق و شرافت پر قائم رہنا اہلِ ایمان کی صفات ہیں۔

ایمان داری

اسلام کی ایک اور اہم اور بنیادی تعلیم ایمان داری ہے۔ مؤمن لین دین کا کھرا اور معاملے کا سچا ہوتا ہے، وہ اپنے فرائض کو دیانت داری سے انجام دیتا ہے اور دوسروں سے کام لینے پر انھیں پسینہ خشک ہونے سے پہلے منصفانہ اجرت دیتا ہے۔ وہ بے ایمانی اور دھوکے سے کوئی چیز حاصل نہیں کرتا، لوگوں کی جہالت اور مجبوری سے غلط فائدہ نہیں اٹھاتا، اپنے حق سے زیادہ وصول نہیں کرتا۔ اس کے لینے اور دینے کے باٹ الگ الگ نہیں ہوتے۔ بڑے بڑے لالچ کے لیے بھی اپنے ایمان پر آنچ نہیں آنے دیتا۔ ضمیر کا کہیں سودا نہیں کرتا۔ وہ جانتا ہے کہ ایسے لوگ خدا اور مخلوق، دونوں کی نگاہ میں بدترین لوگ ہوتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِکَ لَاخَلَاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ وَلَا یُکَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا یُزَکِّیْهِمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ (اٰل عمران:۷۷)

جو لوگ اللہ سے کیے ہوئے وعدے اور اپنی قسموں کے عوض (دنیا کی) حقیر قیمت قبول کر لیتے ہیں، آخرت میں اُن کے لیے کوئی حصہ نہیں۔ قیامت کے روز اللہ اُن سے بات نہیں کرے گا۔ نہ ان کی طرف (رحمت کی) نظر کرے گا، نہ انھیں (گناہوں سے) پاک کرے گا (کہ جنت میں جاسکیں) اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

مومن جانتا ہے کہ لین دین اور معاملات میں گڑبڑ، خدا فراموش اور آخرت فراموش ہی کرتے ہیں:

وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ ۝ۙ الَّذِیْنَ اِذَا اکْتَالُوْا عَلَی النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ ۝ۖ وَاِذَا کَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ یُخْسِرُوْنَ ۝ؕ اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِکَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝ۙ لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝ۙ یَّوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ؕ

(المطففین:۱—۶)

ہلاکت ہے کم ناپ تول کرنے والوں کے لیے، یہ جب دوسرے لوگوں سے ناپ

کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں لیکن جب انھیں ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں، کیا انھیں یقین نہیں کہ انھیں ایک بڑے (ہولناک) دِن زندہ کیا جائے گا جب کہ سارے انسان ربُّ العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے۔

مؤمن کا کردار اس کے برعکس ہوتا ہے، اسے اس کے خدا نے حکم دے رکھا ہے:

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا۝ (بنی اسرائیل: ۳۵)

جب تم ناپ کر دو تو پورا ناپ کر دو اور سیدھی سچی ترازو سے تولو، یہی روش عمدہ ہے اور اسی کا انجام بہتر ہے۔

کاروبار اگر سچائی اور ایمانداری سے کیا جائے تو بہترین کارِ خیر بن جاتا ہے۔ حدیث میں ہے:

اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِيْنُ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ

(ترمذی، ابن ماجه)

سچا اور ایماندار تاجر (آخرت میں) نبیوں، صدّیقوں اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔

کسی کا مال غلط طریقے سے نہیں لینا ہے اور نہ اِس غرض کے لیے رشوت دینا ہے:۔

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝

(البقرة:۱۸۸)

ایک دوسرے کا مال غلط طریقے پر مت کھاؤ، نہ اپنے اموال (رشوت کے طور پر) حکام کے پاس لے جاؤ تا کہ لوگوں کے مال کا ایک حصّہ حق تلفی کر کے جانتے بوجھتے ہڑپ کر لو۔

اِس طرح جو مال ہاتھ آئے وہ حرام ہے اور حرام کھانے والے کی دُعا قبول نہیں ہوتی:

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ اِلَّا طَيِّبًا وَاِنَّ اللّٰهَ اَمَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِمَا اَمَرَ بِالْمُرْسَلِيْنَ فَقَالَ يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا وَقَالَ تَعَالٰى يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيْلُ السَّفَرَ اَشْعَثَ اَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ اِلَى السَّمَاءِ يَارَبِّ يَارَبِّ وَمَطْعَمُهٗ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهٗ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهٗ

حَرَامٌ وَغُذِیَ بِالْحَرَامِ فَاَنّٰی یُسْتَجَابُ لِذَالِکَ۔ (مسلم)

ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ پاک ہے اور پاکیزہ چیز ہی قبول فرماتا ہے، اس نے اہل ایمان کو وہی حکم دیا ہے جو اس نے اپنے رسولوں کو دیا ہے چنانچہ فرمایا ''اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو'' اور فرمایا ''اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں بخشی ہیں انھیں کھاؤ'' پھر آپ نے ایک آدمی کا ذکر کیا کہ وہ لمبا سفر کرتا ہے اور اس حال میں کہ بال بکھرے ہوئے ہیں اور غبار آلود ہے آسمان کی طرف ہاتھ پھیلا کر اور اے رب اے رب کہہ کر دُعا کرتا ہے لیکن اس کا کھانا حرام ہے، پینا حرام ہے، لباس حرام ہے اور حرام سے پلا ہے تو اس کی دعا کیوں کر قبول ہوگی۔

جو جسم حرام سے پلا ہو دوزخ ہی اس کے لیے موزوں ہے۔ اِرشادِ نبوی ہے:

لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ وَكُلُّ لَحْمٍ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ كَانَتِ النَّارُ اَوْلٰی بِهٖ۔ (احمد، دارمی، بیہقی)

جو گوشت حرام سے بنا ہو، وہ جنت میں نہیں جائے گا، جو گوشت حرام سے بنا ہو دوزخ ہی اس کے لیے موزوں ہے۔

مومن حرام ہی نہیں، مشتبہ چیزوں سے بھی بچتا ہے، حدیث میں ہے:

اِنَّ الْحَلَالَ بَیِّنٌ وَّاِنَّ الْحَرَامَ بَیِّنٌ وَّبَیْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَایَعْلَمُهُنَّ كَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ۔ فَمَنِ اتَّقَی الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَءَ لِدِیْنِهٖ وَعِرْضِهٖ۔ وَمَنْ وَقَعَ فِی الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِی الْحَرَامِ۔ كَالرَّاعِیْ یَرْعٰی حَوْلَ الْحِمٰی یُوْشِکُ اَنْ یَّرْتَعَ فِیْهِ اَلَاوَاِنَّ لِكُلِّ مَلِکٍ حِمًی اَلَا وَاِنَّ حِمَی اللّٰهِ مَحَارِمُهٗ ... (بخاری، مسلم)

حلال واضح ہے، حرام واضح ہے لیکن اِن دونوں کے بیچ میں کچھ مشتبہ چیزیں ہیں جن کے بارے میں بہت سے لوگ نہیں جانتے تو جو مشتبہ چیزوں سے بچا اس نے اپنے دین اور اپنی آبرو کو بچالیا اور جو مشتبہ چیزوں میں پڑ گیا وہ حرام میں پڑ گیا جیسے کہ چرواہا ممنوع چراگاہ کے اردگرد چرائے وہ اُس چراگاہ میں بھی چرانے لگے گا۔ سنو! ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ ہوتی ہے، سنو! اللہ کی ممنوع چراگاہ حرام کام ہیں...

حیا

اسلام کی ایک اور اہم اور بنیادی تعلیم حیا ہے۔ حیا یہ ہے کہ انسان کو فحش اور برے کاموں سے گھن آئے۔ اسلام کے بنیادی اصول بیان کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۝

(النحل:۹۰)

بلاشبہ اللہ انصاف کا، احسان کا، عزیزوں کو دینے کا حکم کرتا ہے اور بے حیائی، برائی اور ظلم و تعدّی سے روکتا ہے، تمہیں نصیحت کرتا ہے، امید ہے کہ تم نصیحت حاصل کروگے۔

آیت سے واضح ہوا کہ انسان میں مثبت طور پر تین بنیادی صفات ہونی چاہییں۔ عدل، احسان اور ایتاءِ ذی القربٰی اور تین صفات سے اس کی زندگی پاک ہونی چاہیے، بے حیائی، برائی اور ظلم وزیادتی۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

اَلْحَیَاءُ خَیْرٌ كُلُّهٗ۔ (بخاری، مسلم)

حیا سرتاسر خیر ہے۔

حیا بہت سے اُمورِ خیر کا سرچشمہ ہے۔ ارشادِ نبوی ہے:

اَلْحَیَاءُ لَایَأْتِیْ اِلَّا بِالْخَیْرِ۔ (بخاری، مسلم)

حیا ہمیشہ خیر کا موجب بنتی ہے۔

بے حیا آدمی ہر برائی کا ارتکاب کرسکتا ہے، حدیث میں ہے:

اِنَّ مِمَّا اَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْاُوْلٰی اِذَا لَمْ تَسْتَحْیِ فَاصْنَعْ مَاشِئْتَ۔ (بخاری)

پچھلے انبیاء کے کلام سے لوگوں نے جو کچھ پایا ہے، اس میں ایک بات یہ بھی ہے، ''جب تمہیں حیا نہیں تو جو چاہے کرو۔''

زنا سب سے بڑی بے حیائی ہے، اسلام نے اُسے انتہائی بڑا گناہ شمار کیا ہے اور اس کے لیے شدید ترین سزا تجویز کی ہے، سورۂ بنی اسرائیل میں ہے:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓی اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ سَبِیْلًا۝

(بنی اسرائیل: ۳۲)

اور زِنا کے پاس نہ پھٹکو، یقیناً یہ بے حیائی کا کام ہے، اور بہت بُرا راستہ ہے۔

زِنا کی سزا کا اعلان کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۖ وَّلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

(النور: ۲)

زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد، ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور اللہ کے دین کے معاملے میں تمہیں ان پر رحم نہ آئے۔ اگر تم اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو اور ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کا ایک گروہ موجود رہے۔

اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شادی شدہ زانی اور زانیہ کی سزا یہ ہے کہ اُسے پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جائے۔

زنا کی طرح لواطت بھی بدترین بے حیائی ہے، حدیث میں ہے:

مَنْ وَجَدْتُّمُوْهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُوْلَ بِهٖ۔

(ترمذی، ابن ماجہ)

جس کسی کو تم لواطت کرتے دیکھو تو فاعل اور مفعول، دونوں کو قتل کردو۔

اِسلام نے زنا ہی نہیں، زنا کے محرکات واسباب سے بھی روکا ہے اور شہوانی گفتگو، شہوانی نظر، شہوانی لمس اور شہوانی پیش قدمی کو بھی زنا شمار کیا ہے، حدیث میں ہے:

...اَلْعَيْنَانِ زِنَاهُمَا النَّظَرُ وَالْاُذُنَانِ زِنَاهُمَا الْاِسْتِمَاعُ وَاللِّسَانُ زِنَاهُ الْكَلَامُ وَالْيَدُ زِنَاهَا الْبَطْشُ وَالرِّجْلُ زِنَاهَا الْخُطٰى وَالْقَلْبُ يَهْوٰى وَيَتَمَنّٰى وَيُصَدِّقُ ذَالِكَ الْفَرْجُ وَيُكَذِّبُهٗ۔

(مسلم)

...آنکھوں کا زنا بدنگاہی ہے، کانوں کا زنا (شہوت سے) سننا ہے، زبان کا زنا (شہوانی) کلام ہے، ہاتھ کا زنا دست درازی ہے، پیر کا زنا (شہوانی) پیش قدمی ہے اور دِل چاہتا اور آرزوئیں کرتا ہے اور شرم گاہ اُس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔

یہ بات بھی ممنوع ہے کہ سماج میں بے حیائی کی باتیں پھیلیں، قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ (النور:۱۹)

جو لوگ پسند کرتے ہیں کہ اہلِ ایمان میں بے حیائی پھیلے ان کے لیے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے۔

کسی پاکباز عورت پر زنا کا الزام لگانا بہت بڑا گناہ ہے، قرآن مجید میں ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَّاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ (النور:۴)

جو لوگ پاک دامن عورتوں پر (زنا کا) الزام لگائیں پھر چار گواہ نہ لائیں تو انھیں اسّی کوڑے مارو اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو، یہ لوگ فاسق (خدا کے نافرمان) ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے مہلک گناہوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَاهُنَّ قَالَ الشِّرْكُ بِاللّٰهِ وَالسِّحْرُ وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَكْلُ الرِّبٰوا وَاَكْلُ مَالِ الْيَتِيْمِ وَالتَّوَلِّيْ يَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ۔ (بخاری، مسلم)

ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، سات مہلک گناہوں سے بچو، صحابہؓ نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! وہ گناہ کون سے ہیں؟ فرمایا، شرک کرنا، جادو کرنا، کسی کو قتل کرنا کہ اللہ نے اُسے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ، سود کھانا، یتیم کا مال ہڑپ کرنا، جنگ کے وقت پیٹھ پھیر کر بھاگنا اور پاک دامن، صاحبِ ایمان بھولی بھالی عورتوں پر زنا کا الزام لگانا۔

کچھ جرائم ایسے ہیں جو ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہوتے، ارشادِ نبوی ہے:

لَا يَزْنِيْ الزَّانِيْ حِيْنَ يَزْنِيْ وَهُوَمُؤْمِنٌ وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِيْنَ يَسْرِقُ وَهُوَمُؤْمِنٌ وَلَا يَشْرَبُ الْخَمْرَحِيْنَ يَشْرَبُهَا

وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَنْتَهِبُ نُهْبَةً يَّرْفَعُ النَّاسُ اِلَيْهِ فِيْهَا اَبْصَارُهُمْ حِيْنَ يَنْتَهِبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَغُلُّ اَحَدُكُمْ حِيْنَ يَغُلُّ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاِيَّاكُمْ وَاِيَّاكُمْ وَفِيْ رِوَايَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَلَا يَقْتُلُ حِيْنَ يَقْتُلُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ۔ (بخاری،مسلم)

زنا کرنے والا زنا کرتا ہے تو ایمان کی حالت میں نہیں کرتا، چوری کرنے والا چوری کرتا ہے تو ایمان کی حالت میں نہیں کرتا، شراب پینے والا شراب پیتا ہے تو ایمان کی حالت میں نہیں پیتا، اور جب لوٹ مار کرتا ہے کہ لوگوں کی نگاہیں اسی کی طرف اٹھتی ہیں تو ایمان کی حالت میں نہیں کرتا اور جب کوئی شخص خیانت کرتا ہے تو ایمان کی حالت میں نہیں کرتا تو (ان گناہوں سے) دور بھاگو دور بھاگو۔ اور ابن عباسؓ کی روایت میں ہے اور جب قتل کرتا ہے تو ایمان کی حالت میں نہیں کرتا۔

حدیث کا منشا یہ ہے کہ اس طرح کے جرائم ایمان کے سراسر منافی ہیں، مومن کی زندگی کو اِن سے بالکل پاک ہونا چاہیے، غلطی سے صدور ہو جائے تو توبہ کر کے ایمان بچانا چاہیے۔

تواضع

اسلام کی ایک اور اہم اور بنیادی تعلیم تواضع ہے۔ قرآن مجید میں ہے:۔

اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۗ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ○ (البقرۃ: ۳۴)

اس نے انکار کیا، وہ متکبر و سرکش ہوا اور کافر ہو گیا۔

یعنی شیطان نے خدا کا حکم نہیں مانا، وہ آدم کے آگے نہیں جھکا کیوں کہ وہ اپنے آپ کو آدم علیہ السلام سے بڑا سمجھتا تھا، اس نے غرور اور سرکشی کی راہ اختیار کی اور کافر ہو گیا۔

یہ بات، جو شیطان کی گمراہی کے سلسلے میں کہی گئی ہے، یہی ہر دور کے منکرین حق کے سلسلے میں کہی گئی ہے۔ انکار حق میں وہی لوگ آگے آگے رہے جو دولت و اقتدار کے نشے میں چور تھے، انھوں نے اس بات میں اپنی ذلت سمجھی کہ خدا کے سامنے جھکیں اور اس کے رسول کی اطاعت کریں۔ قرآن مجید میں اس استکبار کی بہت مذمت کی گئی ہے، ایک مقام پر ہے:

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ (الاعراف: ۳٦)

جنھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور اس کے مقابلے میں غرور و سرکشی اختیار کی ایسے لوگ دوزخی ہیں، وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔

ایک اور مقام پر ہے:

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝ (الحدید:۲۳)

اللہ اترانے والے، شیخی خورے کو پسند نہیں کرتا۔

انبیاء علیہم السلام کی دعوت پر جو بے سروسامان لوگ لبیک کہتے۔ یہ مغرور انھیں حقارت کی نظر سے دیکھتے اور کہتے اِن ذلیل لوگوں کو اپنے پاس سے ہٹاؤ تب ہم آئیں گے: قرآن نے کہا:

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ (الانعام: ۵۲)

جو لوگ صبح و شام اپنے رب کو اس کی رضا جوئی کے لیے پکارتے ہیں اُنھیں اپنے پاس سے نہ ہٹاؤ۔

یعنی جس کے پاس خدا کی بندگی اور اس کی رضا جوئی کی دولت ہو، اسے کسی اور دولت کی کیا ضرورت۔ اُس کے لیے یہی اعزاز بس ہے، وہ بلاشبہ رسول کی صحبت کا سزاوار ہے۔

خدا اور اس کے بندوں کے مقابلے میں غرور بہت خطرناک مرض اور بے شمار خرابیوں کی جڑ ہے، یہ انسان کی دُنیا و آخرت، دونوں کو تباہ کرنے والا ہے، ارشادِ نبوی ہے:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ فَقَالَ رَجُلٌ اِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ اَنْ يَّكُوْنَ ثَوْبُهٗ حَسَنًا وَّنَعْلُهٗ حَسَنًا قَالَ اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ الْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ۔ (مسلم)

جس کے دل میں ذرّہ برابر غرور ہوگا وہ جنت میں نہ جائے گا، ایک شخص نے کہا، آدمی چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اور اِس کے جوتے اچھے ہوں (کیا یہ تکبّر ہے) فرمایا (نہیں) اللہ صاحبِ جمال ہے اور وہ جمال (خوب صورتی) کو پسند کرتا ہے۔ غرور، حق کے مقابلے میں سرکشی اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى الْكِبْرِيَاءُ رِدَائِىْ وَالْعَظَمَةُ اِزَارِىْ فَمَنْ

نَازَعَنِیْ وَاحِدًا مِنْهُمَا اَدْخَلْتُهٗ فِی النَّارِ۔ (مسلم)

اللہ فرماتا ہے، کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میری ازار، تو جس کسی نے ان میں سے کسی کو مجھ سے چھیننا چاہا میں اُسے جہنم میں جھونک دوں گا۔

یعنی عظمت و کبریائی خدا کے لیے ہے، انسان کو، جو اپنی زندگی اور اپنی ہر ضرورت کے لیے خدا کے آگے دست نگر ہے، غرور زیب نہیں دیتا۔ خدا کے مقابلے میں غرور حدِّ بندگی سے تجاوز ہے اور انسانوں کے مقابلے میں حدِّ انسانیت سے۔ مومن نہ خدا کے مقابلے میں اکڑتا ہے اور نہ بندوں کے آگے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ وہ تہی دست و بے بس ہے اس کے پاس جو کچھ ہے، خدا کا ہے اور خدا جب چاہے اس سے چھین سکتا ہے۔ ان نعمتوں میں اس کے لیے فخر و غرور کا کوئی موقع نہیں۔ یہ تو اس کے امتحان کے پرچے ہیں۔ اگر اُس نے فخر و غرور کی راہ اختیار کی تو وہ خدا کے رسوا کن عذاب کا مستحق ہوگا۔

مومن جتنا زیادہ دولت و اقتدر پاتا ہے اتنا ہی خدا کے آگے جھکتا اور بندوں کے ساتھ شرافت و انکسار اختیار کرتا ہے۔ ظاہری نہیں، حقیقی انکسار۔ اس انکسار سے خدا اور بندوں کی نگاہ میں اس کا مقام پست نہیں، بلند ہوتا ہے۔ ارشادِ نبوی ہے:

مَانَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ وَمَازَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ اِلَّاعِزًّا وَمَاتَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ۔ (مسلم)

صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا۔ عفو و درگزر سے اللہ بندے کی عزّت اور بڑھا دیتا ہے اور جو اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ اسے بلند کر دیتا ہے۔

نرم خوئی

اسلام کی ایک اور اہم اور بنیادی تعلیم نرم خوئی ہے، قرآن مجید میں ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ (آل عمران:۱۵۹)

(اے رسول!) یہ اللہ کی رحمت ہے کہ تم ان کے لیے نرم ہو، اگر تم درشت خو اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ تمہارے پاس سے بھاگ جاتے۔

درشت خوئی جب رسول کے لیے نازیبا ہے تو کسی اور کے لیے کیسے زیبا ہو سکتی ہے۔ ایک اور

حدیث میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ وَيُعْطِي عَلَى الرِّفْقِ مَالَا يُعْطِي عَلَى الْعُنْفِ وَمَالَا يُعْطِي عَلٰى مَاسِوَاهُ۔ (مسلم)

اللہ نرم خو ہے وہ نرمی کو محبوب رکھتا ہے اور نرم خوئی پر وہ سب کچھ دیتا ہے جو درشتی پر یا کسی عادت پر نہیں دیتا!

اللہ جیسا صاحب قدرت وجلال جب نرم خو ہے تو اس کے عاجز بندوں کو سختی کیوں کر زیب دیتی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے:

مَنْ يُّحْرَمِ الرِّفْقَ يُحْرَمِ الْخَيْرَ۔ (مسلم)

جو نرمی سے محروم ہے وہ خیر سے محروم ہے۔

عفوودرگزر

اسلام کی ایک اور اہم بنیادی تعلیم غصّے پر قابو پانا اور لوگوں کی غلطیوں کو معاف کر دینا ہے۔ قرآن مجید میں اہل جنت کا ذکر کرتے ہوئے ہے:

اَلَّذِيْنَ يُنفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ط وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ o (ال عمران:۱۳۴)

یہ وہ لوگ ہیں جو خوشحالی اور تنگ دستی (ہر حال میں راہ خدا میں) خرچ کرتے ہیں، غصّہ پیتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں اور اللہ حسنِ سلوک کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ، غصّہ پر قابو اور عفوودرگزر، یہ وہ صفات ہیں جو انسان کو جنت کا مستحق بناتی ہیں۔ ایک اور مقام پر رسول اللہ ﷺ کو اور آپ کے توسّط سے پوری اُمت کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا:

خُذِالْعَفْوَ وَاْمُرْبِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ o وَاِمَّايَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ط اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ o

(الاعراف: ۱۹۹، ۲۰۰)

عفوودرگزر کو اختیار کرو، نیکی کا حکم دو اور جھگڑالو لوگوں سے صرفِ نظر کر لو اور اگر شیطان

کی جانب سے (اشتعال کی) وسوسہ اندازی ہو تو اللہ کی پناہ چاہو، یقیناً وہ سننے والا،
جاننے والا ہے۔

یعنی غصّہ شیطان کا حربہ ہے۔ اس سے بچو۔ اشتعال انگیزی کو طرح دو اور مخالفین کو معاف کر دو، یہی نہیں، ہم سے کہا گیا ہے کہ ہم بدسلوکی کا جواب حسنِ سلوک سے دیں۔

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ۝ (حم السجدة:۳۴)

اچھائی اور برائی یکساں نہیں ہو سکتیں، بدسلوکی کا جواب بہترین سلوک سے دو، تو تم دیکھو گے کہ جس شخص کو تم سے دشمنی ہے وہ ایک روز تمہارا جگری دوست ہو گیا ہے۔

غصّہ انسان کی کم زوری ہے، غصّہ میں انسان کو اپنے اوپر قابو نہیں رہتا، اس کی عقل ماؤف ہو جاتی ہے، وہ ایسی باتیں اور حرکتیں کر گزرتا ہے کہ ہوش وحواس کی حالت میں ہرگز نہ کرتا۔ دُنیا و آخرت، دونوں کو تباہ و برباد کرنے والے اَلم ناک واقعات بالعموم غصّے ہی کی حالت میں واقع ہوتے ہیں۔ اس لیے غصّے پر قابو پانا بیحد ضروری ہے، حدیث میں ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم اَوْصِنِیْ قَالَ لَا تَغْضَبْ فَرَدَّدَ ذَالِکَ مِرَارًا قَالَ لَا تَغْضَبْ۔ (بخاری)

ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، مجھے نصیحت فرمائیے، فرمایا غصّہ نہ کرو، اُس نے بار بار یہی کہا اور آپ نے ہر بار یہی فرمایا، غصّہ نہ کرو۔

غصّہ پی جانا کمزوری کی نہیں، طاقت اَور بہادری کی بات ہے، ارشادِ نبوی ہے:

لَیْسَ الشَّدِیْدُ بِالصُّرْعَةِ اِنَّمَا الشَّدِیْدُ الَّذِیْ یَمْلِکُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ۔ (بخاری، مسلم)

طاقتور وہ نہیں ہے جو لوگوں کو پچھاڑ دے، طاقتور وہ ہے جو غصّہ کی حالت میں اپنے پر قابو رکھتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غصّہ پر قابو پانے کے طریقے بھی بتائے ہیں:

اِنَّ الْغَضَبَ مِنَ الشَّیْطَانِ وَاِنَّ الشَّیْطَانَ خُلِقَ مِنَ النَّارِ وَاِنَّمَا یُطْفَأُ النَّارُ بِالْمَاءِ فَاِذَا غَضِبَ اَحَدُکُمْ فَلْیَتَوَضَّأْ۔ (ابوداؤد)

غصّہ شیطان سے ہے اور شیطان آگ سے پیدا ہوا ہے اور آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے تو جب تم میں سے کسی کو غصّہ آئے تو وضو کر لے۔

ایک اور روایت میں ہے:

اِذَا غَضِبَ اَحَدُکُمْ وَھُوَ قَائِمٌ فَلْیَجْلِسْ فَاِنْ ذَھَبَ عَنْهُ الْغَضَبُ وَاِلاَّ فَلْیَضْطَجِعْ۔ (ترمذی، احمد)

جب تم میں سے کسی شخص کو غصّہ آئے اور وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے۔ اگر اس طرح غصّہ چلا جائے تو فبہا ورنہ لیٹ جائے۔

شکر

اسلام کی ایک اور اہم اور بنیادی تعلیم شکر ہے۔ شکر یہ ہے کہ انسان اپنے محسن کو پہچانے، دِل سے اُس کے احسانات کا اعتراف کرے اور قول وعمل سے احسان شناسی کا ثبوت دے ـــــ انسان اور کائنات کا محسن حقیقی اللہ ہے۔ انسان کے پاس اس کی زندگی، صلاحیتوں، قوتوں اور ذرائع ووسائل کی شکل میں جو کچھ ہے، خدا ہی کا بخشا ہوا ہے۔ اُس پر خدا کے اتنے احسانات ہیں کہ وہ اُنھیں شمار بھی نہیں کرسکتا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لاَ تُحْصُوْھَا ؕ (ابراھیم: ۳۴)

اگر تم اللہ کے احسانات کو شمار کرو تو ان کا احاطہ نہیں کرسکتے۔

انسان کی انسانیت، شرافت اور احسان شناسی کا تقاضا یہ ہے کہ محسنِ حقیقی کو پہچانے، اُس کا دل اس کے شکر اور محبت کے جذبات سے معمور ہو اور وہ اس کی بخشی ہوئی متاعِ حیات اور عطا کردہ ذرائع ووسائل کو اس کی راہ میں لگادے اور اس کی مرضی کے مطابق صرف کرے کہ انسان اللہ کا شکر بجالانے کے سلسلے میں بس یہی کچھ کرسکتا ہے، اس کے پاس خدا کے عظیم احسانات کا بدلہ چکانے کے لیے اپنا کچھ بھی نہیں ہے، نہ خدا کو اس کی کسی چیز کی ضرورت ہے۔

دینِ حق کا نقطۂ آغاز یہی محسن شناسی اور خدا کے لیے یہی جذبۂ شکر ہے، قرآن مجید کا، جو کتابِ ہدایت ہے۔ آغاز اِسی حمد وشکر سے ہوتا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۙ (الفاتحة: ۱، ۲)

شکر وثنا اللہ ربُّ العالمین، رحمٰن ورحیم کے لیے۔

سورۂ فاتحہ، جس کی اوّلین آیات یہ ہیں، نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے تا کہ ہمارا دِل خدا کے حمد وشکر اور اس کی عبودیت و محبت کے جذبے سے سرشار رہو اور ہم اپنی پوری زندگی میں اس کے شکر گزار بندے بن سکیں۔ شکر اِس معنیٰ میں دین کا نقطۂ آغاز اور دین کی بنیاد ہی نہیں، عین دین ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّکُمْ لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ وَلَئِنْ کَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌo (ابراھیم:۷)

اور دیکھو، تمہارے رب نے آگاہ کر دیا تھا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم کو اور زیادہ نعمتیں دوں گا اور ناشکری کرو گے تو میرا عذاب سخت ہے۔

اِس آیت میں شکر اور ناشکری کو محدود نہیں، وسیع ترین معنیٰ میں استعمال کیا گیا ہے۔ شکر یہ ہے کہ ہم اللہ کی بخشی ہوئی زندگی اور عطا کیے ہوئے ذرائع و وسائل کو اس کی مرضی کے مطابق استعمال کریں اور اس کے دین کی پیروی کر کے اس کا کماحقہ حق ادا کریں اور ناشکری یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے یا اس کی بخشی ہوئی زندگی اور ذرائع و وسائل کو اِس کی مرضی کے خلاف استعمال کیا جائے۔ اِسی معنی میں اُمّتِ مسلمہ سے شکر کے بجالانے اور ناشکری سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے:

فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ وَاشْکُرُوْا لِیْ وَلَا تَکْفُرُوْنِo (البقرۃ:۱۵۲)

تم مجھے یاد رکھو، میں تمھیں یاد رکھوں گا۔ تم میرے شکر گزار بنو، میری ناشکری نہ کرو۔

یہ ہے اللہ کا شکر جو محسنِ حقیقی ہے۔ بندۂ مومن جب بھی اللہ کی کوئی نعمت پاتا ہے دِل اور زبان سے اس کا شکر ادا کرتا ہے۔ اِس سلسلے کی دُعائیں اور اذکار حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔ لیکن اللہ کی مشیت کے تحت اِس کی بخشی ہوئی نعمتوں سے اللہ کے بندے دوسرے بندوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرتے ہیں۔ انسان کی انسانیت و احسان شناسی یہ ہے کہ اللہ کا شکر ادا کرنے کے بعد ایسے تمام محسنین کا شکریہ ادا کرے اور ان کے احسانات کا بدلہ چکائے۔ حدیث میں ہے:

مَنْ لَا یَشْکُرِ النَّاسَ لَا یَشْکُرِ اللّٰہَ۔ (ترمذی)

جو شخص انسانوں کے احسانات کا شکر نہیں بجالائے گا وہ اللہ کا شکر بھی نہ کر سکے گا۔

انسانوں میں سب سے زیادہ احسان والدین کا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے شکر کی

ادائی کے ساتھ ہی والدین کا شکر بجالانے کا حکم دیا:

اَنِ اشْکُرْلِیْ وَلِوَالِدَیْکَ ؕ (لقمان:۱۴)

میرا شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا۔

صبر

اسلام کی ایک اور اہم اور بنیادی تعلیم صبر ہے، اردو میں مجبوری کا نام صبر ہے لیکن عربی زبان اور قرآن وحدیث میں مردانگی اور اُولوالعزمی کا نام صبر ہے:

یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَکَ ؕ اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۚ (لقمان:۱۷)

(حضرت لقمان نے کہا) اے میرے پیارے بیٹے! نماز قائم کرو، نیکی کا حکم کرو، برائی سے روکو اور (اس راہ میں) جو مصیبتیں تم پر آئیں ان پر صبر کرو، یقیناً یہ اُولوالعزمی کے کام ہیں۔

صبر یہ ہے کہ انسان شدائد ومشکلات سے پنجہ آزمائی کرے، حالات کے آگے جھکنے کے بجائے ان کا رُخ موڑنے کی کوشش کرے، نازک سے نازک حالات میں بھی حق پر ڈٹا رہے، کسی بھی خطرے کو خاطر میں نہ لائے۔ بڑے سے بڑے نقصان حتیٰ کہ جان، مال اور اولاد کا زیاں گوارا کرلے مگر حق سے تعلق توڑنے کا نام نہ لے، مایوسی، بددلی، خوف، گھبراہٹ، جھنجھلاہٹ، تھڑدلی، غصّہ اور سردمہری کو پاس نہ پھٹکنے دے، وہ راہِ حق پر مسلسل سرگرم سفر رہے یہاں تک کہ وہ اپنے رب کی بندگی ووفاداری کرتا ہوا اپنے رب سے جاملے۔

صبر کی اس تشریح سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ انسانی کردار میں اِس کی کتنی اہمیت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اِس صفت کے بغیر پختہ کردار کا تصوّر نہیں کیا جاسکتا۔ راہِ حق کے لیے تو یہ صفت اور بھی ناگزیر ہے، یہ راہ کانٹوں سے بھری ہے، اس راہ میں زندگی بھر نفس سے، شیطان سے، غلط کار اعزّہ اور بگڑے ہوئے سماج سے، وقت کے اربابِ اقتدار سے، سب سے سخت مقابلہ رہتا ہے۔ اِس راہ میں بڑے بڑے خطرات آتے ہیں اور جان، مال، اولاد، عزت ہر چیز کی بازی لگانی پڑتی ہے۔ اللہ کی سنت بھی یہ ہے کہ وہ اہلِ ایمان کو مصائب وشدائد سے

آزماتا ہے اور انہی کو عبودیت و بندگی کی سند دیتا ہے اور انہی کو اپنی رحمت و نصرت اور ہدایت سے نوازتا ہے جو صبر و استقامت کا ثبوت دیتے ہیں، قرآن مجید میں ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَo الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْآ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَo اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَo

(البقرۃ، ۱۵۵ – ۱۵۷)

ہم تمھیں ضرور آزمائیں گے کچھ خوف سے، بھوک سے، مال، جان اور پیداوار کے نقصان سے اور (اے نبی!) صبر اختیار کرنے والوں کو بشارت دو کہ انھیں جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہہ اٹھتے ہیں، ہم اللہ کے ہیں اور ہمیں اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، یہی لوگ ہیں جن پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں۔

جنت انہی کو ملے گی جو حق کے لیے مسلسل جدّ و جہد کریں اور ہر طرح کی مشکلات وشدائد کے علی الرغم حق پر ڈٹے رہیں یہاں تک کہ موت کے منہ میں بھی جانے کو تیار ہوں۔ قرآن مجید میں ہے:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَo وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَo (آل عمران: ۱۴۲، ۱۴۳)

کیا تمہارا خیال یہ ہے کہ تم جنت میں (بہت آسانی سے) داخل ہو جاؤ گے حالاں کہ ابھی اللہ نے یہ دیکھا ہی نہیں کہ تم میں کون سے لوگ (اس کی راہ میں) جہاد کرنے والے ہیں اور کون (مشکلات ومصائب میں) صبر کرنے والے! تم تو موت سے دوچار ہونے سے قبل اس کی تمنا کرتے تھے تو لو وہ تمہارے سامنے آگئی اور تم نے اُسے آنکھوں سے دیکھ لیا۔

اللہ کی یاد اور صبر، یہی دو طاقتیں ہیں جن کے سہارے بندۂ مومن راہِ حق کی دشوار گزار گھاٹیوں کو عبور کرتا ہے اور اللہ کی نصرت ومعیت کا مستحق ہو کر اس کے دین کو دُنیا میں غالب کرنے میں کامیاب ہوتا ہے:

يَـاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَعِيۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوةِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيۡنَ ۝ (البقرة : ۱۵۳)

اے ایمان لانے والو! صبر اور نماز سے مدد لو، بلاشبہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

یہی بات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے قرآن مجید میں اِس طرح کہلوائی گئی ہے:

قَالَ مُوۡسٰى لِقَوۡمِهِ اسۡتَعِيۡنُوۡا بِاللّٰهِ وَاصۡبِرُوۡا ۚ اِنَّ الۡاَرۡضَ لِلّٰهِ ۙ يُوۡرِثُهَا مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ ؕ وَالۡعَاقِبَةُ لِلۡمُتَّقِيۡنَ ۝ (الاعراف:۱۲۸)

موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا، اللہ سے مدد لو اور صبر و استقامت اختیار کرو، زمین اللہ کی ہے، وہ جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اُس کا وارث بنا دیتا ہے اور انجامِ کار متقیوں کے لیے ہے۔

یعنی زمین خدا کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے، اس کا وارث و مالک بنا دیتا ہے۔ اس لیے اس سے مدد چاہو اور اس کے بھیجے ہوئے دینِ حق پر ثابت قدم رہو، اگر تم نے صبر و تقویٰ کی راہ اختیار کی تو انجامِ کار خلافتِ ارضی تمھیں ملے گی۔

مومن صبر و شکر کا پیکر ہوتا ہے، اس لیے وہ دنیا و آخرت، دونوں میں کامیاب و کامران ہوتا ہے۔ اس حقیقت کو نبی ﷺ نے کتنے عمدہ پیرایہ میں بیان کیا ہے:

عَجَبًا لِّاَمۡرِ الۡمُؤۡمِنِ اِنَّ اَمۡرَهٗ كُلَّهٗ لَهٗ خَيۡرٌ اِنۡ اَصَابَتۡهُ سَرَّآءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيۡرًا لَّهٗ وَاِنۡ اَصَابَتۡهُ ضَرَّآءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيۡرًا لَّهٗ

(مسلم)

مؤمن کا معاملہ عجیب ہے، اُس کا ہر رویّہ اِس کے لیے موجبِ خیر و فلاح ہے، اُسے نعمت ملتی ہے تو شکر کرتا ہے تو یہ اُس کے لیے موجبِ خیر ہوتا ہے، مصیبت پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے اور یہ اس کے لیے موجب خیر ہوتا ہے۔

انفاق

اسلام کی ایک اور اہم اور بنیادی تعلیم ''انفاق'' ہے۔ انفاق یہ ہے کہ انسان خدا کی بخشی ہوئی نعمتوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرے۔ بالفاظِ دیگر خدا کی رضا کے لیے قربانی دے۔ قربانی کے بغیر ہم کسی چھوٹے سے چھوٹے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اگر یہ صحیح ہے اور یقیناً صحیح ہے تو ہم

کس طرح یہ توقع رکھتے ہیں کہ حق کے لیے قربانی دیے بغیر دنیا میں عزت وسربلندی اور آخرت میں ابدی ولازوال کامرانی پاسکتے ہیں۔قربانی کے بغیر دُنیا میں کوئی بھی قوم معزّز وسربلند نہیں ہوئی، پھر ہم کس طرح ہو سکتے ہیں اور جب دُنیا کی حقیر اور چندروزہ کامیابی کا یہ حال ہے تو آخرت کی عظیم اور لازوال کامرانی قربانیوں کے بغیر کیوں کر حاصل ہوسکتی ہے۔ جنت فی الحقیقت انھی لوگوں کا حصّہ ہے جو اپنا سب کچھ خوشی خوشی خدا کے حوالے کردیں۔قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ (التوبۃ:۱۱۱)

اللہ نے اہل ایمان سے ان کے جان ومال کو خرید لیا ہے اِس قیمت پر کہ ان کے لیے جنت ہے۔

جو شخص اللہ کی نعمتوں کا مالک بن بیٹھے اور خدا کی راہ میں انھیں خرچ کرنے کے بجائے جوڑ جوڑ کر رکھے وہ خدا کی رضا اور جنت نہیں پاسکتا،قرآن مجید میں ہے:

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ الَّذِىْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۙ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ۚ (الھمزۃ:۱–۳)

ہلاکت ہے ہر اُس شخص کے لیے جو عیب چیں اور زبان دراز ہے، جس نے دولت جمع کی اور اُسے گِن گِن کر رکھا، سمجھتا ہے کہ دولت اُسے دوام بخشے گی۔

انسان کی گمراہی وبدکرداری کی بہت بڑی وجہ دُنیا اور اس کے مفادات ولذائذ کی محبت وہوس ہے۔دُنیا کا پرستار خدا کا پرستار نہیں بن سکتا، آخرت کی کامرانی کو مقصود نہیں بنا سکتا، اللہ اور بندوں کے حقوق ادا نہیں کرسکتا، وہ تو اپنی ذلیل اور ناپاک دُنیا کو بنانے کے لیے جرائم پر جرائم کرے گا اور بے شمار انسانوں کی دُنیا اُجاڑ دے گا، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

...وَاتَّقُوا الشُّحَّ فَاِنَّ الشُّحَّ اَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حَمَلَهُمْ عَلٰى اَنْ سَفَكُوْا دِمَاءَ هُمْ وَاسْتَحَلُّوْا مَحَارِمَهُمْ۔ (مسلم)

...اور حرص سے بچو کیوں کہ حرص نے تم سے پہلے کے لوگوں کو ہلاک کیا، انھیں اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ لوگوں کا خون بہائیں اور ان کی چیزوں کو اپنے لیے حلال کرلیں حالاں کہ وہ ان کے لیے حرام تھیں۔

اللہ کی راہ میں دُنیا اور اس کے مفادات ولذائذ کو قربان کیے بغیر نہ انسان کا تزکیہ ہوتا ہے اور نہ وہ دوقدم دین کی راہ پر چل سکتا ہے۔ قرآن مجید نے شروع ہی میں یہ واضح کر دیا ہے کہ اس سے وہی لوگ ہدایت پائیں گے جو اللہ کی بندگی کرنے اور اس کی بخشی ہوئی نعمتوں کو اس کی راہ میں صرف کرنے کو تیار ہوں:

الٓمّٓ ۝ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝

(البقرۃ:۱–۳)

الف، لام، میم، یہ کتاب (الٰہی) ہے، اِس میں کوئی شک نہیں، ہدایت ہے خدا ترسوں کے لیے، جو بن دیکھے ایمان لاتے، نماز قائم کرتے اور جو کچھ ہم نے بخشا ہے اس سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

یَاابْنَ اٰدَمَ اَنْ تَبْذُلَ الْفَضْلَ خَیْرٌ لَّکَ وَاَنْ تُمْسِکَهٗ شَرٌّ لَّکَ وَلَا تُلَامُ عَلٰی کِفَافٍ وَابْدَءْ بِمَنْ تَعُوْلُ۔ (مسلم)

اے ابنِ آدم! زائد از ضرورت مال کو خرچ کر، یہی تیرے لیے بہتر ہے، بچا کر رکھے گا تو تیرے لیے موجبِ شر ہے بقدرِ ضرورت رکھنے پر ملامت نہیں اور ان پر پہلے خرچ کر جن کا تو ذمّہ دار ہے۔

عام طور سے خیال کیا جاتا ہے کہ جو شخص صاحبِ ثروت ہے وہ کامیاب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے برعکس خیال ظاہر فرمایا ہے۔ آپ کے اِرشاد کی رُو سے سرمایہ دار گھاٹے اور خسارے میں ہیں۔ سوائے اُن کے جو راہِ خدا میں بے محابا خرچ کریں:

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ انْتَهَیْتُ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ وَهُوَ جَالِسٌ فِیْ ظِلِّ الْکَعْبَةِ فَلَمَّا رَاٰنِیْ قَالَ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ وَرَبِّ الْکَعْبَةِ فَقُلْتُ فِدَاکَ اَبِیْ وَاُمِّیْ مَنْ هُمْ قَالَ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ اَمْوَالًا اِلَّا مَنْ قَالَ هٰکَذَا وَهٰکَذَا مِنْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ وَعَنْ یَمِیْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ وَقَلِیْلٌ مَّا هُمْ۔ (بخاری، مسلم)

ابو ذرؓ سے مروی ہے، انھوں نے کہا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا ـــــ اس وقت آپؐ کعبہ کے سایے میں بیٹھے تھے ـــــ تو جب آپ نے مجھے دیکھا تو فرمایا، کعبہ کے رب کی قسم! وہی لوگ انتہائی خسارہ میں ہیں، میں نے عرض کیا، میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، وہ لوگ کون ہیں؟ فرمایا جو زیادہ دولت مند ہیں، بجز اُن کے جو اس طرح، اِس طرح، اِس طرح، آگے، پیچھے، دائیں، بائیں خرچ کریں اور ایسے لوگ کم ہی ہیں!

زبان کی حفاظت

زبان سے جتنے زیادہ گناہ ہوتے ہیں اتنے شاید ہی کسی عضو سے ہوتے ہوں۔ پھر زبان کے غلط، بے جا اور غیر ذمّہ دارانہ استعمال سے بے شمار فتنے پیدا ہوتے ہیں، جھگڑوں اور جنگوں کی تہ تک اگر آپ پہنچنے کی کوشش کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اکثر و بیشتر حالات میں ان کا سبب زبان کا غلط استعمال ہے۔ یہی نہیں، زیادہ بولنے اور بکواس کرنے سے انسان کا کردار بھی خراب ہوتا ہے، وہ سوچ سمجھ کر کوئی کام کرنے کی صلاحیت، احساسِ ذمّہ داری اور ذمّہ دارانہ کردار سے محروم ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان کی حفاظت کی بہت تاکید کی ہے:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْ لِيَصْمُتْ۔
(بخاری، مسلم)

جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ بھلی بات کہے ورنہ خاموش رہے۔

اِس حدیث میں بسیار گوئی سے روکا گیا ہے اور اس کے مقابلے میں خاموشی کی ہدایت کی گئی ہے۔

ایک اور روایت میں ہے:

اِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ رِضْوَانِ اللّٰهِ لَا يُلْقِيْ لَهَا بَالًا يَرْفَعُ اللّٰهُ بِهَا دَرَجَاتٍ وَاِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللّٰهِ لَا يُلْقِيْ لَهَا بَالًا يَهْوِيْ بِهٖ فِيْ جَهَنَّمَ۔ (بخاری)

بندہ اللہ کی رِضا کی کوئی بات کہتا ہے اور اسے اہمیت نہیں دیتا مگر اس کے ذریعہ اس کے مراتب بلند ہو جاتے ہیں، اِس کے برعکس بندہ کبھی اللہ کی ناراضگی کی کوئی بات منہ سے نکال دیتا ہے اور اس کی پرواہ نہیں کرتا اور اس کے نتیجہ میں جہنم میں جا گرتا ہے۔

زبان کا استعمال کتنا منفعت بخش اور کتنا خطرناک ہے! ایک اور حدیث میں ہے:

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَتَدْرُوْنَ مَااَکْثَرَ مَایُدْخِلُ النَّاسَ الْجَنَّۃَ تَقْوَی اللّٰہِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ اَتَدْرُوْنَ مَااَکْثَرَ مَایُدْخِلُ النَّاسَ النَّارَ الْاَجُوَفَانِ الْفَمُ وَالْفَرْجُ

(ترمذی، ابن ماجہ)

ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جانتے ہو، جنت میں سب سے زیادہ کس وجہ سے لوگ داخل ہوں گے، خدا ترسی اور حسن اخلاق سے، جانتے ہو، دوزخ میں سب سے زیادہ کس وجہ سے لوگ داخل ہوں گے، منہ اور شرم گاہ (کے غلط استعمال) کی وجہ سے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

مَنْ یَضْمَنْ لِیْ مَابَیْنَ لَحْیَیْہِ وَمَابَیْنَ رِجْلَیْہِ اَضْمَنْ لَہُ الْجَنَّۃَ۔

(بخاری)

جو شخص دو جبڑوں کے بیچ کی چیز (زبان) اور دو پیروں کے بیچ کی شے (شرم گاہ) کی ضمانت دے میں اُسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

اِن دونوں احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ زبان اور شرم گاہ کی حفاظت نہ صرف یہ کہ انسان کو بے شمار گناہوں سے بچاتی ہے بلکہ وہ اُسے پختہ کردار عطا کرتی ہے، جس کے باعث وہ جنت کا مستحق بن جاتا ہے۔ اس کے برعکس اِن دونوں اعضاء کا غلط استعمال نہ صرف یہ کہ بہت سے کبیرہ گناہوں مثلاً: غیبت، جھوٹ، طعنہ دہی، چغل خوری، بہتان، سبّ وشتم، لعنت، ناحق تکفیر، استہزاء، زِنا، لواطت وغیرہ کا موجب ہوتا ہے بلکہ اس کے نتیجے میں انسان بے کردار اور بدکردار ہو جاتا ہے اور اس کا ٹھکانا دوزخ کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

گھر کی اصلاح

انسان کے بیوی بچے اس کی عزیز ترین متاع ہوتے ہیں۔ دنیا میں اس کی بڑی آرزو یہ ہوتی ہے کہ اُس کے متعلقین پھلیں پھولیں۔ وہ دکھ اُٹھاتا ہے تا کہ یہ سکھ پائیں۔ وہ دِن رات دوڑ دھوپ کرتا ہے تا کہ انھیں آرام وسکون ملے۔ وہ اپنی زندگی کی قوتیں نچوڑ دیتا ہے تا کہ اس کے گھر کے لوگ زندگی کی کامرانیوں سے ہم کنار ہوں۔ وہ اپنے مال، اپنے اوقات اور اپنی جان کو بے تامل ان پر نثار کر دیتا ہے اور کیوں نہ کرے، اسے ان سے شدید محبت ہوتی ہے۔ یہ بات اگر صحیح ہے اور بلاشبہ صحیح ہے تو پھر یہ بات بھی صحیح ہے کہ بندۂ مومن اپنے گھر والوں کو چھوڑ کر تنہا راہِ حق پر گامزن نہیں ہوسکتا۔ وہ اِس بات کی کوشش کرنے پر فطرتاً مجبور ہے کہ اس کے گھر کے لوگ بھی اللہ کے مخلص بندے بن جائیں۔ جس دین کو اس نے حق اور دنیا و آخرت کی کامرانی کا ضامن سمجھا ہے اسے وہ بھی اپنالیں جس خدا کو راضی کرنے میں وہ صبح وشام مصروف ہے اُسے راضی کرنے میں وہ بھی لگ جائیں تا کہ وہ بھی رحمتِ خداوندی کے مستحق ہوجائیں، جس جہنم سے بچنے کی وہ رات دِن فکر کرتا ہے اس سے وہ بھی دور رہیں اور جس جنت کا وہ شیدائی ہے اس کے وہ بھی شیدائی بنیں تا کہ جب اللہ کی عدالت سے اسے جنت کی بشارت ملے تو اس کے گھر والوں کو بھی ملے اور وہ سب مل جل کر جنت کی لازوال اور بے پایاں نعمتوں سے شادکام ہوسکیں۔ وہ اپنے رب سے بار بار دُعا کرتا ہے:

رَبَّنَاهَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًاo (فرقان: ۷۴)

اے ہمارے رب! ہماری بیویوں اور اولاد کو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا اور ہمیں پرہیز گاروں کا پیشوا وسربراہ بنا۔

یعنی ہمارے گھر کے لوگ دین کے سچے پیرو اور حق کے مخلص فدائی ہوں، ان کی خدا ترسی اور دینداری سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں، ہمارا گھر متقیوں کا گھر ہو اور ہم اس گھر کے سربراہ ہوں۔

قرآن مجید میں گھر کے لوگوں کی اصلاح پر اس طرح زور دیا گیا ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَیْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ۝ (التحریم:٦)

اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر کے لوگوں کو (جہنم کی) آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، جس پر ایسے فرشتے تعینات ہیں جو درشت خو اور سخت ہیں، اللہ نے انھیں جو حکم دیا ہے اس کے خلاف نہیں کرتے اور جو حکم ملتا ہے اُسے کر گزرتے ہیں۔

آیت سے واضح ہوا کہ اپنی اصلاح کے ساتھ گھر کے لوگوں کی اصلاح کی کوشش بندۂ مومن کی ذمّے داری ہے۔ اگر اُس کی اپنی کوتاہی کے نتیجے میں اس کے گھر کے لوگ بگڑے اور جہنم کے عذاب کے مستحق ہوئے تو وہ اللہ کے حضور جواب دہی سے نہ بچ سکے گا۔ حدیث میں ہے:

اَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِهٖ... فَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰی اَهْلِ بَیْتِهٖ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِهٖ وَالْمَرْءَ ةُ رَاعِیَةٌ عَلٰی بَیْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهٖ وَهِیَ مَسْئُوْلَةٌ عَنْهُمْ (بخاری، مسلم)

تم میں سے ہر آدمی ذمّہ دار و نگراں ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا... تو مرد اپنے گھر کے لوگوں کا ذمّہ دار ہے اور اس سے ان کے بارے میں باز پُرس ہوگی اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کی اولاد کی نگراں ہے اور اس سے ان کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

حضرت محمد ﷺ نے نبوّت پانے کے بعد سب سے پہلے اپنی زوجۂ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اپنی بعثت کی خبر سنائی۔ وہ نہ صرف یہ کہ فوراً ایمان لے آئیں بلکہ اپنی رفاقت، اپنی سمجھ بوجھ اور اپنی دولت کے ذریعے آپ کے لیے بہترین سہارا بنیں۔ آپ کی سب صاحبزادیاں بھی آپ پر ایمان لائیں اور اسلام کی بہترین پیروکار ثابت ہوئیں۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَاَنۡذِرۡ عَشِيۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ ۙ (الشعراء:۲۱۴)

اپنے قریبی اہلِ خاندان کو (عذابِ الٰہی) سے ڈراؤ۔

تو آپؐ نے فوراً اِس کوشش کا آغاز کر دیا۔ حدیث میں اِس کی تفصیل اِس طرح ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ لَمَّانَزَلَتْ وَاَنْذِرْعَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ دَعَا النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم قُرَيْشًا فَاجْتَمَعُوْا فَعَمَّ وَخَصَّ فَقَالَ يَامَعْشَرَ قُرَيْشٍ اِشْتَرُوْا اَنْفُسَكُمْ لَا اُغْنِیْ عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَيَابَنِیْ عَبْدِمُنَافٍ لَا اُغْنِیْ عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَيَاعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبِ لَا اُغْنِیْ عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَيَاصَفِيَّةُ عَمَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَا اُغْنِیْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَيَافَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ سَلِيْنِیْ مَاشِئْتِ مِنْ مَالِیْ لَا اُغْنِیْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا۔ (بخاری، مسلم)

ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ جب آیت وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ نازل ہوئی تو آپ نے قریش کو بلایا تو عام اور خاص سب لوگ جمع ہوئے۔ آپ نے فرمایا: اے قریش کے لوگو! اپنے آپ کو بچاؤ، میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ اے بنی عبدِ مناف! میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ اے عباس بن عبدالمطلب! میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا، اے صفیہ! رسول اللہ کی پھوپھی! میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا، اے فاطمہ، محمدؐ کی بیٹی!، میرے مال میں سے جو چاہے مجھ سے مانگ لے، میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدّد عورتوں سے شادی کی، یہ سب مخلص صاحبِ ایمان تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت کے تحت دین کی پیروی و خدمت میں لگی رہتی تھیں۔ ایک بار آپ کو اپنی ازواج کی ایک رَوِش سے، جو اُن کے شایانِ شان نہ تھی، تکلیف پہنچی۔ آپ کچھ دنوں کے لیے ان سے الگ تھلگ رہے، اس مدّت کے بعد یہ آیات نازل ہوئیں:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِیُّ قُلۡ لِّاَزۡوَاجِكَ اِنۡ كُنۡتُنَّ تُرِدۡنَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا وَزِيۡنَتَهَا فَتَعَالَيۡنَ اُمَتِّعۡكُنَّ وَاُسَرِّحۡكُنَّ سَرَاحًا جَمِيۡلًا ۝ وَاِنۡ

كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا○ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ط وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا○ وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ لا وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا○ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا○ج وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ط اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا○ج وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا○ (الاحزاب:۲۸-۳۴)

اے نبی! اپنے بیویوں سے کہو، اگر تمہارا مقصودِ حیات دنیا اور اس کی زینت ہو تو آؤ میں تمہیں سامان دوں اور خوب صورتی سے تمہیں رخصت کر دوں لیکن اگر تمہارا مقصود اللہ ہے، اس کا رسول اور دارِ آخرت ہے تو اللہ نے تم میں سے نیکوکار عورتوں کے لیے اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔ اے نبی کی عورتو! تم میں سے جو کوئی کھلی ہوئی بے حیائی کا کام کرے گی اُسے دوگنا عذاب دیا جائے گا اور یہ بات اللہ کے لیے آسان ہے اور تم میں سے جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی تابع فرمان رہے اور نیک کام کرے اُسے ہم دوگنا اجر دیں گے اور اس کے لیے ہم نے باعزّت سامانِ زیست تیار کر رکھا ہے۔ اے نبی کی بیویو! تم ایسی ویسی عورتیں نہیں ہو، تم تقویٰ کی روش اختیار کرو تو لوچ دار بات نہ کرنا کہ جس کے دِل میں بیماری ہے اُسے کچھ لالچ ہو جائے اور شریفانہ باتیں کرو اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور جاہلیتِ اولیٰ کی طرح بن سنور کر باہر نہ نکلو، نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور (سب معاملات میں) اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اے نبی کی گھروالیو! اللہ تو چاہتا ہے کہ تم سے (گناہ) کی ناپاکی کو دُور کرے اور تمہیں بالکلیہ

پاک وصاف کردے اور تمہارے گھروں میں اللہ کی آیات اور حکمت کی جو باتیں سنائی جاتی ہیں انھیں یادرکھو بلاشبہ اللہ باریک بیں اور باخبر ہے۔

نبی ﷺ نے یہ آیات ازواجِ مطہرات کو ایک ایک کر کے سنائیں اور سب نے اِن آیات کے مطابق عمل کرنے اور رسول کی صحبت میں رہ کر خود کو دین کی خدمت کے لیے تیار کرنے کے عزم کا اظہار کیا اور بعد کے زمانے نے بتایا کہ آپ کی ازواجِ مطہرات نے دین کو سمجھنے، اسے جذب کرنے، اس پر عمل کرنے اور اُس کی ترجمانی کرنے کا حق ادا کیا۔

یہ آیات بتاتی ہیں کہ ایک بندۂ مومن کے گھر کی عورتوں کو کیسا ہونا چاہیے۔ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کی ازواج سب مسلمان عورتوں کے لیے اسوہ ہیں اور اللہ نے ان کو جو پروگرام دیا ہے، وہ فی الواقع سب مسلمان عورتوں کے لیے ہے۔ چنانچہ اِن آیات کے فوراً بعد سچے مومن مردوں اور سچی مومن عورتوں کی صفات بیان کی گئی ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے الفاظ یہ ہیں:

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَھُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَالذّٰکِرٰتِ لا اَعَدَّ اللّٰہُ لَھُمْ مَّغْفِرَۃً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا۝

(الاحزاب: ۳۵)

اسلام لانے والے مرد اور اسلام لانے والی عورتیں، ایمان والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں، (خدا کی اطاعت) کرنے والے مرد اور اطاعت کرنے والی عورتیں، راستباز مرد اور راستباز عورتیں، صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، (اللہ کے آگے) عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں، صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں، روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں، اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں، اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور عورتیں، اللہ نے ان سب کے لیے مغفرت اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔

اِن آیات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ دین کے معاملے میں عورتوں کو مردوں سے پیچھے

نہ رہنا چاہیے۔ یہ آیات یہ بھی بتاتی ہیں کہ اہلِ ایمان اپنے گھر کی عورتوں، لڑکوں اور لڑکیوں کو کن صفات کا حامل بنائیں اور کس نہج پر ان کی تربیت کریں۔

اولاد کی تربیت کن خطوط پر کی جائے، اس کا بہترین نمونہ حضرت لقمانؑ کی نصیحت ہے جو انھوں نے اپنے بیٹے کو کی اور قرآن مجید نے اس کا ذکر کیا:۔

وَاِذْقَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِہٖ وَھُوَیَعِظُہٗ یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِکْ بِاللّٰہِ ط اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ o وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ ط حَمَلَتْہُ اُمُّہٗ وَھْنًا عَلٰی وَھْنٍ وَّفِصٰلُہٗ فِیْ عَامَیْنِ اَنِ اشْکُرْلِیْ وَلِوَالِدَیْکَ ط اِلَیَّ الْمَصِیْرُ o وَاِنْ جَاھَدٰکَ عَلٰٓی اَنْ تُشْرِکَ بِیْ مَالَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ لا فَلَا تُطِعْھُمَا وَصَاحِبْھُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا ز وَّاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ ج ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُکُمْ فَاُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ o یٰبُنَیَّ اِنَّھَآ اِنْ تَکُ مِثْقَالَ حَبَّۃٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَکُنْ فِیْ صَخْرَۃٍ اَوْفِی السَّمٰوٰتِ اَوْفِی الْاَرْضِ یَاْتِ بِھَا اللّٰہُ ط اِنَّ اللّٰہَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ o یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَکَ ط اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ج o وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّکَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ط اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ج o وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِکَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِکَ ط اِنَّ اَنْکَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ o

(لقمان:۱۳-۱۹)

اور دیکھو لقمان نے اپنے بیٹے سے نصیحت کرتے ہوئے کہا، اے میرے پیارے بیٹے! اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا، یقیناً شرک سب سے بڑا ظلم ہے ـــــ اور ہم نے انسان کو والدین کے بارے میں تاکید کی، اس کی ماں نے تکلیف پر تکلیف اٹھا کر اُسے پیٹ میں رکھا اور بچہ کا دودھ دو سال میں چھوٹتا ہے، یہ تاکید کی کہ میرا اور اپنے ماں باپ کا شکر ادا کر، میرے ہی پاس تو لوٹ کر آنا ہے اور اگر ماں باپ اس بات کی جدّ و جہد کریں کہ میرے ساتھ اُن چیزوں کو شریک ٹھہراؤ جن کا تمھیں علم نہیں ہے تو ان کا کہا نہ

ماننا اور دُنیا میں ان سے شریفانہ برتاؤ رکھنا اور اس شخص کے راستہ پر چلنا جو میرے آگے جھک گیا ہے پھر تم سب کو میرے ہی پاس آنا ہے تو میں تمہیں بتاؤں گا کہ تم کیا کرتے رہے تھے ـــــ اے میرے پیارے بیٹے! اگر رائی کے دانے کے برابر بھی کوئی عمل کسی چٹان میں، یا آسمانوں یا زمین میں کہیں بھی ہو، اللہ اُسے سامنے لے آئے گا۔ بلاشبہ اللہ باریک بیں اور باخبر ہے، اے میرے پیارے بیٹے! نماز قائم کر، نیکی کا حکم دے، برائی سے روک اور جو مصیبت پہنچے اِس پر صبر کر، یقیناً یہ اولوالعزمی کے کام ہیں، اپنا گال لوگوں کے سامنے نہ پھلا اور زمین میں اترا کر نہ چل، اللہ اترانے والے، شیخی خوروں کو پسند نہیں کرتا، چال میں میانہ روی اختیار کر، اور آواز کو پست رکھ، بلاشبہ گدھے کی آواز سب سے زیادہ کریہہ آواز ہے!

اسلام کی دعوت

انسان کی فطرت ہے کہ وہ جس چیز کو حق اور موجب فلاح یقین کرتا ہے، کوشش کرتا ہے کہ دوسرے انسان بھی اُسے حق اور موجبِ فلاح سمجھیں۔ ایک شخص کو جوں ہی اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ اسلام دینِ حق اور دُنیا و آخرت کی فلاح کا ضامن ہے (اور ایسے ہی شخص کو مسلمان کہتے ہیں) وہ بے چین ہو جاتا ہے، اور اپنے اعزّہ، احباب اور حلقۂ تعارف میں اسلام کا تعارف کرانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ وہ ایک ایک شخص کے پاس پہنچتا اور اسلام کے سلسلے میں اس سے گفتگو کرتا ہے۔ اُسے اپنی کوشش میں کامیابی ہوتی ہے تو اس کی مسرّت کی کوئی انتہا نہیں ہوتی اور ناکامی ہوتی ہے تو اُسے سخت صدمہ ہوتا ہے۔ گویا کوئی عزیز ترین متاع اس سے چھن گئی ہو۔

دورِ نبوی میں ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام قبول کرتے ہی ہر شخص اسلام کا مبلّغ بن جاتا تھا، ابتداء میں حالات اتنے سخت تھے کہ علانیہ نماز پڑھنے کی گنجایش نہ تھی اور اسلام کو قبول کرنے کے معنیٰ اپنے آپ کو خطرات میں جھونک دینے کے تھے۔ اس کے باوجود جو لوگ حق کو قبول کرتے، وہ دعوتِ حق کے پرخطر کام میں منہمک ہو جاتے کیوں کہ ان کا ایمان و یقین انھیں بے چین کیے رہتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ شب و روز دعوتِ حق کے کام میں منہمک رہتے، مگر جب لوگ آپ کی دعوت پر لبیک کہنے کے بجائے اس کا مذاق اڑاتے تو آپ کا دل بیٹھنے لگتا:

فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفۡسَکَ عَلٰٓی اٰثَارِهِمۡ اِنۡ لَّمۡ یُؤۡمِنُوۡا بِهٰذَا الۡحَدِیۡثِ اَسَفًا۝ (الکهف:٦)

اگر یہ لوگ اِس دعوت پر ایمان نہ لائے تو تم کڑھ کڑھ کر شاید اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالو گے۔

مومن انسانوں کے لیے بڑا رحیم و شفیق ہوتا ہے۔ وہ دکھی انسانوں کو دیکھ کر تڑپ اٹھتا اور کوشش کرتا ہے کہ ان کے دکھ درد کو دور کر دے۔ یہ اس کی فطرت ہے اور یہی اُس کے دین اسلام کی تعلیم بھی ہے۔ مومن اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے کہ بے شمار انسان ظلم، فساد، فسق، کفر، شرک اور الحاد کی تباہ کن راہوں پر سرگرمِ سفر ہیں، وہ جہنم کے ہولناک عذاب کی طرف بگٹٹ دوڑے چلے جا رہے ہیں۔ یہی نہیں وہ اپنی بدکرداری کی وجہ سے دنیا میں بھی خدا کے غضب کے مستحق ہو چکے ہیں، یہ دیکھ کر وہ تڑپ اٹھتا ہے اور اس کی رات کی نیند اور دن کا سکون رخصت ہو جاتا ہے۔ وہ ایک ایک انسان کو پکڑ کر اُسے خدا کے دردناک عذاب سے بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ انسان کی اس سے بڑی مصیبت کیا ہو سکتی ہے کہ وہ دنیا و آخرت میں خدا کے غضب اور اس کے ہولناک عذاب کا مستحق ہو جائے اور اس کی اس سے بڑی خدمت کیا ہو سکتی ہے کہ اس کی دنیا و آخرت کو تباہی سے بچا لیا جائے۔

حدیث میں ہے:

مَثَلِیْ کَمَثَلِ رَجُلِ ِاسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا اَضَاءَ تْ مَاحَوْلَهَا جَعَلَ الْفِرَاشُ وَھٰذِہِ الدَّوَابُّ الَّتِیْ تَقَعُ فِی النَّارِ یَقَعْنَ فِیْھَا وَجَعَلَ یَحْجُرُھُنَّ وَیَغْلِبْنَهٗ فَیَتَقَحَّمْنَ فِیْھَا فَاَنَا اٰخِذٌ بِحُجَزِ کُمْ عَنِ النَّارِ وَاَنْتُمْ تَقَحَّمُوْنَ فِیْھَا۔ (بخاری، مسلم)

میری مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی شخص نے آگ جلائی تو جب آگ سے آس پاس کا علاقہ روشن ہو گیا تو پروانے اور یہ کیڑے مکوڑے، جو آگ میں گرتے ہیں، گرنے لگے، وہ انھیں روکتا مگر وہ اس کے علی الرغم آگ میں گھسے پڑتے، تو میں تمہاری کمر پکڑ کر تمہیں آگ سے بچا رہا ہوں مگر تم ہو کہ (دوزخ کی) آگ میں گرے پڑتے ہو!

ایک سچے داعیِ حق کی کیفیت وجدّ و جہد اور لوگوں کی جہالت و نادانی کی کتنی عمدہ تصویر کی گئی ہے اس حدیث میں۔ لیکن بات صرف اتنی نہیں ہے، اللہ نے جب بھی کسی قوم کو اپنی کتاب عطا کی اور اسے ہدایت سے نوازا اُس سے اس بات کا عہد لیا کہ وہ کتابِ الٰہی کی تعلیمات کو انسانوں تک

پہنچائے گی اور انھیں چھپائے گی نہیں ، قرآنِ مجید اہلِ کتاب کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۡ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ○ (آل عمران:۱۸۷)

اور دیکھو جنہیں کتاب دی گئی تھی ، اُن سے اللہ نے عہد لیا تھا کہ اس کتاب (کی تعلیمات) کو لوگوں سے بیان کرو گے اور چھپاؤ گے نہیں تو انھوں نے اُسے پسِ پشت ڈال دیا اور اس کے عوض تھوڑی سی قیمت لے لی۔ کتنی بری ہے وہ چیز جو (کتابِ الٰہی کے عوض) خرید رہے ہیں!

مسلمانوں سے اہلِ کتاب کی عہد شکنی کا تذکرہ اس لیے کیا گیا کہ مسلمان ان کی رَوِش نہ دُہرائیں اور اللہ کی کتاب کی تعلیمات اور اُس کے دین کی دعوت کو دوسرے انسانوں تک پہنچانے میں کوتاہی نہ برتیں۔ امتِ مُسلمہ کے فرائض بیان کرتے ہوئے قرآن مجید نے کہا:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ (آلِ عمران:۱۰۴)

اور تمہیں ایک ایسا گروہ بن جانا چاہیے جو خیر (اسلام) کی طرف دعوت دے۔ نیکی کا حکم کرے اور برائی سے روکے اور ایسے ہی لوگ (دُنیا و آخرت میں) کامیاب و کامراں ہیں۔

اِس آیت سے دو باتیں واضح ہوئیں۔ ایک یہ کہ امتِ مسلمہ کی تشکیل اِسی غرض سے ہوئی ہے کہ وہ اِسلام کی طرف انسانوں کو دعوت دے ، نیکی کا حکم کرے اور برائی سے روکے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ان کاموں کے کرنے کے بعد ہی مسلمان دنیا و آخرت میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: فَلْيُبَلِّغُ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ (موجود ، غیر موجود تک (میرا پیغام) پہنچائے) اس حدیث سے واضح ہوا کہ جس انسان تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پہنچی ہو اور اس نے دینِ حق پالیا ہو اُس کی ذمّے داری ہے کہ وہ دوسرے انسانوں تک اِس پیغام کو پہنچائے۔ ایک اور روایت میں ہے:

بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰيَةً (بخاری) (میری بات اوروں تک پہنچاؤ خواہ ایک آیت ہی ہو)۔ اِس سے واضح

ہوا کہ دعوت وتبلیغ کے لیے کسی بڑے علم کی ضرورت نہیں۔ اگر انسان کو قرآن کی ایک آیت اور اسلام کا ایک حکم معلوم ہو تو وہ اُسے دوسروں تک پہنچا دے۔

اِسلام کی دعوت کی کس قدر اہمیت ہے اور امّت مسلمہ کی اس سلسلے میں ذمّہ داری کتنی عظیم ہے، اِسے ذرا تفصیل سے سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔ کیوں کہ اچھے اچھے لوگ اِسے محسوس نہیں کر پا رہے ہیں۔

ہم مسلمانوں کا اِس پر اتفاق ہے کہ حضرت محمد ﷺ دنیا کے سارے انسانوں کے لیے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ یہ بات قرآن وحدیث سے اس قدر واضح ہے کہ اِس میں کسی شک وشبہ کی گنجایش نہیں ہے۔ اسی کے ساتھ ہمارا ایمان ہے کہ آپؐ اللہ کے آخری نبی ہیں (اور یہ بات بھی قرآن وحدیث سے قطعی طور پر ثابت ہے) بالفاظِ دیگر آپ کی بعثت سے لے کر قیامت تک سارے انسانوں کی نجات وفلاح آپ پر ایمان لانے اور آپ کا دین اپنانے میں ہے۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی زندگی میں صرف عرب کے لوگوں پر اپنی توجّہ مبذول کر سکے۔ بلاشبہ آپ نے گرد و پیش کے فرماں رواوں کو اپنے خطوط اور اپنے سفراء کے ذریعے اسلام کی دعوت دی، لیکن یہ دعوت قرب وجوار کے چند بادشاہوں تک محدود تھی، دنیا کے اکثر وبیشتر حکمراں اس دعوت سے محروم رہے اور عرب کے باہر کے عوام تک تو آپ اپنی آواز پہنچا ہی نہ سکے، پھر آپ کی وفات کو بھی تقریباً چودہ سو برس ہوئے ہیں اور قیامت پتا نہیں کب آئے گی۔ اس لمبی مدّت میں جو بے شمار انسان ہوئے اور ہوں گے۔ ان کی نجات وفلاح کا انتظام کیا ہے اور ان تک دعوتِ حق پہنچانے کا ذمّہ دار کون ہے؟ کیا رسول اللہ ﷺ کی بعثت صرف اپنے دور کے عربوں کے لیے تھی؟ کیا خدا سب انسانوں کا ہادی ورہنما نہیں ہے اور اس کی رحمت سب انسانوں کو عام نہیں ہے؟ کیا خدا ظالم ہے کہ وہ سب انسانوں کی نجات وفلاح کے لیے دین بھیجے، سب کو مکلّف ٹھہرائے کہ اسے قبول کریں مگر سب انسانوں تک اس کے پہنچانے کا انتظام نہ کرے اور پھر یہ کہہ کر انھیں جہنم میں ڈال دے کہ تم نے اسلام قبول نہیں کیا تھا؟ اس سوال کا کیا جواب ہے؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ بلاشبہ رہتی دنیا تک کے انسانوں کے لیے اللہ کے رسول ہیں۔ لیکن یہ دنیا کا معروف ومسلّم قاعدہ ہے کہ جس شخص کے ذمّے کوئی بڑا کام ہوتا ہے وہ خود اُس کام کو کرنے کے ساتھ اپنے نائبوں، ماتحتوں، ساتھیوں اور اپنے ماتحت عملہ سے

کراتا ہے اور تبھی وہ ہو پاتا ہے، کسی انسان کے لیے، خواہ اللہ کا رسول ہی کیوں نہ ہو، ممکن نہیں کہ وہ رہتی دنیا کے تمام انسانوں تک اپنی دعوت خود پہنچا دے۔ ہاں یہ بات اُس کے پیروؤں کے ذریعہ ممکن ہے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے تئیس [۲۳] سالہ دورِ نبوت میں جتنے افراد تک حق کی دعوت پہنچا سکتے تھے، ان تھک جدوجہد کر کے آپ نے ان تک بے کم و کاست پہنچا دی اور اس طرح پہنچا دی کہ وہ اسے اچھی طرح سمجھ گئے، لیکن یہ کام بھی آپ نے تنہا نہیں کیا، جو افراد آپ پر ایمان لاتے گئے وہ دعوتِ حق کے پہنچانے میں آپ کے معاون بنتے گئے۔

اسی کے ساتھ آپؐ نے ایک کام اور کیا۔ جو لوگ آپ پر ایمان لائے، ''اُمّت مسلمہ'' کے نام سے آپ نے انھیں ایک اُمت اور جماعت کی شکل دے دی اور ان کی اِس طرح تربیت کی کہ وہ اسلام کا چلتا پھرتا نمونہ اور دینِ حق کے سچّے داعی اور فدائی بن گئے، پھر اللہ کے حکم سے آپ نے اِس امّت کو یہ عظیم کام سپرد کیا کہ وہ دنیا کے دوسرے انسانوں تک اللہ کا پیغام پہنچائے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ (البقرۃ:۱۴۳)

اور اس طرح ہم نے تم کو بہترین امّت بنایا کہ تم انسانوں پر (حق کے) گواہ بنو اور رسول تم پر (حق کی) گواہی دیں۔

یعنی جس طرح اللہ کے رسول نے اپنی زبان سے تم کو حق کی دعوت پہنچائی اور اپنے اعلیٰ اور جامع کردار سے اِسلام کا ہمہ جہتی نمونہ پیش کیا، اُسی طرح امتِ مسلمہ کی ذمّے داری ہے کہ وہ دنیا کے انسانوں کے سامنے اپنے قول و عمل سے اسلام کی سچی گواہی دے۔ ارشاد ربانی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۚ۩ وَجَاهِدُوْا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِىْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚۖ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ

فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ٥ (الحج: ۷۷، ۷۸)

اے ایمان لانے والو! رکوع کرو، سجدہ کرو، اپنے رب کی بندگی کرو اور نیک کام کرو، امید ہے کہ فلاح پاؤ گے اور اللہ کی (راہ میں) جدّ و جہد کرو جیسا کہ اس کا حق ہے، اس نے تمھیں منتخب کیا ہے، دین میں تمہارے لیے کوئی تنگی نہیں رکھی ہے، یہ تمہارے باپ ابراہیم کا مسلک ہے، اس نے تمہارا نام اس سے ''قبل'' ''مسلم'' رکھا ہے اور تمہارا نام قرآن میں بھی مسلم ہے تا کہ رسول تم پر گواہ ہوں اور تم انسانوں پر گواہ بنو تو نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور اللہ کی پناہ میں آجاؤ، وہ تمہارا کارساز وسر پرست ہے تو بہترین کارساز وسر پرست اور بہترین مددگار ہے!

یعنی مسلمانوں کی ذمّے داری صرف اتنی نہیں ہے کہ وہ اللہ کے عبادت گزار و فرماں بردار بندے اور نیکی واخلاق کے پیکر بن جائیں، ان کی ذمّے داری یہ بھی ہے کہ وہ دینِ حق کی دعوت و اقامت کے لیے کما حقہ جدّ و جہد کریں اور جس طرح اللہ کے رسول نے ان کے سامنے اپنے قول و عمل سے حق کی شہادت دی ہے، اسی طرح وہ دنیا کے انسانوں کے سامنے اپنے قول و عمل سے حق کی شہادت دیں، اللہ نے اِس مقصدِ عظیم کے لیے ان کا انتخاب فرمایا ہے اور انھیں ''مسلم'' کا معزز لقب اسی لیے عطا کیا گیا ہے۔ اقامت صلوٰۃ، انفاق فی سبیل اللہ اور توکل علی اللہ سے وہ اس عظیم مہم کو سر کر سکتے ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اِس عظیم کام میں اللہ ان کا سر پرست ہے اور وہ بہترین کارساز و مددگار ہے۔

اِن آیات سے اُمّتِ مسلمہ کے بلند مقام اور اس کی عظیم ذمّہ داری کی وضاحت ہوتی ہے، رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد رہتی دنیا تک یہ امتِ مسلمہ کی ذمّہ داری ہے کہ وہ آپ کے پیغام کو بندگانِ خدا تک پہنچائے اور اپنے قول و عمل سے ان کے سامنے اسلام کی سچی شہادت دے۔ امتِ مسلمہ نے اگر اس کام کو کما حقہ انجام دیا تو وہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوگی، بندگانِ خدا تک خدا کا پیغام پہنچے گا اور انھوں نے اِس پیغام کے ساتھ انکار یا قبول کی شکل میں جو سلوک کیا ہوگا، اسی کے مطابق آخرت میں ان کا حشر ہوگا اور وہ انکار کی صورت میں جہنم میں اور حق کو قبول کرنے کی صورت میں جنت میں جائیں گے لیکن امتِ مسلمہ نے اگر اپنے اس عظیم منصب کو نہیں پہچانا، بندگانِ خدا تک خدا کا پیغام نہیں پہنچایا اور وہ جہالت و نادانی کے باعث شرک، کفر، الحاد اور فسق و فجور کی تاریکیوں میں بھٹکتے رہے تو ان بے شمار انسانوں کی گمراہی و بدکرداری کی ذمّہ داری امّتِ مُسلمہ پر آئے گی اور وہ کسی طرح اِس جوابدہی سے عہدہ برآنہ ہو سکے گی۔

یہاں ایک اور بات سمجھ لینے کی ہے، وہ یہ کہ ان آیات کی رُو سے دعوتِ دین اور شہادتِ حق کے سلسلے میں تین فریق ہیں۔ ایک اللہ کے رسول، جنہوں نے حق کی دعوت وشہادت دے کر امتِ مسلمہ بنائی، دوسری امت مسلمہ جسے دین کی دعوت اور حق کی شہادت کے کام پر مامور کیا گیا ہے، تیسرے ''الناس'' یعنی امتِ مسلمہ سے باہر کے کافر، مشرک اور ملحد انسان، جن تک اُمتِ مُسلمہ کو حق کی دعوت پہنچانی ہے اور اسلام کی قولی و عملی شہادت کا حق ادا کرنا ہے۔ دوسرے الفاظ میں دین کی دعوت کے اصل مخاطب کافر، مشرک اور ملحد انسان ہیں اور امّتِ مسلمہ شہادتِ حق اور دعوتِ دین کی ذمّہ داری سے اس وقت سبکدوش ہوگی جب ان تک اللہ کا پیغام پہنچائے۔ انبیاء علیہم السلام بھی کافروں اور مشرکوں کو دینِ حق کی دعوت دیتے تھے اور یہی کام اُمتِ مُسلمہ کو ان کی پیروی میں کرنا ہے۔

یہ وضاحت اس لیے ضروری معلوم ہوئی کہ مسلمانوں میں جب دعوت و تبلیغ کا جذبہ پیدا ہوتا ہے تو وہ ہر پھر کر مسلمانوں ہی میں اصلاحی و تبلیغی کام شروع کر دیتے ہیں۔ کچھ لوگ تو غیر مسلموں کو اِس لائق نہیں سمجھتے کہ ان تک کلمہ حق پہنچایا جائے اور کچھ لوگ خیال کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی اِصلاح کے سلسلے میں جو جدّ وجہد وہ کر رہے ہیں، وہ کافی ہے، غیر مسلموں تک کلمہ حق پہنچانے کی ضرورت نہیں ہے، اِن کا خیال ہے کہ مُسلمان جہالت اور عقیدہ وعمل کی خرابی کی آخری حدوں کو پہنچے ہوئے ہیں، ان کی اِصلاح سے کہاں فرصت جو ہم غیر مسلموں کی طرف متوجّہ ہوں۔

اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں میں بگاڑ حد سے زیادہ پھیلا ہوا ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ ان کی اِصلاح ان تمام افراد کی ذمّے داری ہے، جو دین کا شعور اور ملّت کا درد رکھتے ہوں۔ مسلمان ہمارے بھائی ہیں، ان کا بگاڑ ہمارا بگاڑ ہے اور ان کی اصلاح ہماری اصلاح ہے اور اس کام کی اہمیت ذرا بھی کم نہیں ہے۔ لیکن غیر مسلموں تک اسلام کا پیغام پہنچانے کی اہمیت بھی کچھ کم نہیں ہے اور اسی وقت ہم دعوتِ دین کی ذمّہ داری سے سبکدوش ہوسکیں گے جب ہم غیر مسلموں تک اللہ کے دین کا پیغام پہنچا دیں۔ یہ کام پوری اُمتِ مسلمہ کا تھا، لیکن یہ ہماری بد قسمتی ہے کہ جو دین کے داعی تھے انھیں اسلام سے واقف کرانا پڑ رہا ہے، جو لوگوں کی اصلاح کے ذمہ دار تھے وہ خود اصلاح کے محتاج ہو گئے ہیں اور جن سے پوری انسانیت کو خیر و فلاح مل سکتی تھی وہ ہر طرح کی برائیوں کے آماجگاہ بن گئے ہیں۔ یہ ہماری بد قسمتی ہے اور ہمیں اس صورتِ حال کا علاج کرنا ہے لیکن اِسی طرح ہمیں غیر مسلموں تک اللہ کا پیغام پہنچانا ہے، اللہ کا دین مسلمانوں کی

میراث نہیں ہے۔ وہ سب انسانوں کو دُنیا وآخرت کی کامرانی سے ہم کنار کرنے آیا ہے اور یہ ہماری ذمّہ داری ہے کہ اِن بندگانِ خدا تک جو اللہ کے دین سے نا آشنا ہیں اللہ کا دین پہنچائیں۔ ورنہ کل آخرت میں وہ خدا کے حضور ہمارا دامن پکڑیں گے کہ ان ظالموں کے پاس تیرا دین تھا، جس میں دنیا کی کامرانی اور آخرت کی نجات تھی لیکن انھوں نے ہم تک اسے نہیں پہنچایا اور ہمارے پاس اس کا کوئی جواب نہ ہوگا اور معلوم نہیں، پھر ہمارا کیا انجام ہوگا!

اِس سلسلے میں ایک وسوسہ ذہنوں کو پریشان کرتا ہے اور وہ یہ کہ غیر مسلموں تک حق کی دعوت پہنچانے کا کوئی حاصل نہیں ہے کیونکہ وہ اسے قبول کرنے سے رہے، لیکن یہ وسوسہ بالکل بے بنیاد ہے، اسلام کی دعوت جب بھی پیش کی گئی ہے اور جس ملک اور جس ماحول میں بھی پیش کی گئی ہے سعید رُوحوں نے اُسے قبول کیا ہے۔ دُنیا میں پھیلے ہوئے تقریباً ایک ارب مسلمان اِس حقیقت کے شاہد عدل ہیں۔ نبی ﷺ ابتداء میں تنہا تھے پھر آپ نے گردو پیش کے غیر مسلموں کو حق کی دعوت دی اور ایک، ایک، دو، دو افراد آپ پر ایمان لاتے اور آپ کے گرد جمع ہوتے چلے گئے، یہاں تک کہ ۲۳ سال کے عرصے میں پورا عرب مسلمان ہوگیا، پھر صحابۂ کرام عرب سے اُٹھے اور دنیا کے بڑے حصے میں پھیل گئے اور ان کی داعیانہ کوششوں کے نتیجے میں ان تمام ممالک میں اسلام پھیل گیا۔ صحابۂ کرام کے بعد بھی یہ کام کم وبیش ہوتا رہا، اور ہندوستان، لنکا، ملایا، انڈونیشیا اور چین وغیرہ ممالک میں اسلام صحابۂ کرام نے نہیں، بعد کے لوگوں نے پھیلایا ہے۔ آج بھی، جب کہ اسلام کی دعوت کی کوئی قابلِ ذکر کوشش نہیں ہورہی ہے، دنیا کے ہر حصّے میں لوگ اسلام قبول کررہے ہیں۔ ہندوستان کا حال بھی دنیا کے دوسرے حصّوں سے مختلف نہیں ہے، سعید رُوحیں حق کی تلاش میں نکلتی ہیں اور اسے سینے سے لگالیتی ہیں۔

مان لیجیے، ایک غیر مسلم بھی اسلام قبول نہیں کرتا اور ہم دعوت دیتے دیتے دنیا سے رخصت ہوجاتے ہیں، تو کیا ہم ناکام ہوگئے؟ ہم اللہ کے بندے ہیں۔ ہماری کامیابی اس میں ہے کہ اس کے حکم کی تعمیل کریں۔ اس نے حکم دیا کہ ہم اس کے دین کی دعوت دیں اور ہم نے کما حقہ دعوت دے دی، ہم کامیاب ہوگئے۔ ہمارا اجر کہیں نہیں گیا، ہم اللہ کی رضا اور اُسی کی جنت کے مستحق ہوگئے، نقصان تو ان لوگوں کا ہوا جنہوں نے حق کو قبول نہیں کیا۔

یہ بات اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، ان کی اصلاح وہدایت ہمارے

بس میں نہیں، اللہ کے ہاتھ میں ہے، ہمارا کام صرف کوشش کرنا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ج

(القصص:۵۶)

(اے نبی!) تم جسے چاہو ہدایت نہیں دے سکتے، اللہ جسے چاہے گا ہدایت دے گا۔

اور آپ کے چچا ابوطالب آپ کی تمام تر کوششوں کے باوجود ایمان نہ لائے حالاں کہ وہ آخری وقت تک مسلمانوں کے لیے سینہ سپر بنے رہے۔

دعوتِ دین کی کوششوں کے نتیجے میں کوئی شخص بھی آگے نہ بڑھا تو بھی ہم ناکام نہیں ہوئے لیکن اگر کچھ لوگوں کو اللہ نے قبولیتِ حق کی توفیق دی تو ان کی، ایمان اور عملِ صالح سے بھری ہوئی زندگی کا اجر جس طرح انھیں ملے گا ہمیں بھی ملے گا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

مَنْ دَعَا اِلٰی ھُدًی کَانَ لَهٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلُ اُجُوْرِ مَنْ تَبِعَهٗ لَا یَنْقُصُ ذَالِکَ مِنْ اُجُوْرِھِمْ شَیْئًا۔

(مسلم)

جو شخص ہدایت کی طرف بلائے تو جو لوگ اس کی پیروی کریں گے اسے ان سب لوگوں کے اجر کے برابر اجر ملے گا جو اس کی پیروی کریں بغیر اس کے کہ ان کا اجر کم ہو۔

اللہ اکبر! کتنے عظیم نفع کا سودا ہے یہ! مبارک ہیں وہ لوگ جو یہ عظیم سودا کر سکیں۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

اسلام کی دعوت دینے پر مومن کا کام ختم نہیں ہوجاتا۔ اِس کی ذمّے داری یہ بھی ہے کہ وہ نیکیوں کوفروغ دینے اور برائیوں کومٹانے کے لیے اپنا اثر اور اپنی قوت استعمال کرے، گھر کے اندر اور گھر کے باہر جہاں اس کی چلتی ہو، نیکیوں کا حکم کرے اور برائیوں سے روکے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَّأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ (التوبۃ:۷۱)

مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کی رفیق ودمساز ہیں، یہ لوگ نیکی کا حکم کرتے، برائی سے روکتے، نماز قائم کرتے، زکوٰۃ دیتے اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔

اِن آیات سے دو باتیں واضح ہوئیں۔ ایک یہ کہ اقامت صلوٰۃ، ادائے زکوٰۃ اور اطاعتِ خدا ورسول کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی اہل ایمان کی لازمی اور بنیادی صفات ہیں۔ دوسرے یہ کہ یہ صفات مردوں کی طرح عورتوں میں بھی مطلوب ہیں۔ سورۂ آلِ عمران میں اِس سے بھی آگے بڑھ کر ارشاد ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ (الِ عمران:۱۱۰)

تم بہترین امت ہو، تمام انسانوں کے لیے برپا کیے گئے ہو تم نیکی کا حکم کرتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو!

یعنی امتِ مسلمہ بہترین امت ہے۔ یہ امت تمام انسانوں کی ہدایت ورہنمائی کے لیے وجود میں لائی گئی ہے۔ اِس کا مقصدِ وجود یہ ہے کہ نیکی کا حکم کرے اور برائی سے روکے اور یہ اس کے اللہ پر ایمان لانے کا نتیجہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ رَأَى مِنكُمْ مُنكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَالِكَ اَضْعَفُ الْإِيمَانِ۔ (مسلم)

تم میں سے جو آدمی کسی برائی کو دیکھے اُسے اپنے ہاتھ سے مٹادے، اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے مٹائے اور اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دِل سے مٹائے اور یہ سب سے کم زور ایمان ہے۔

یعنی ایمان اور اللہ کی نافرمانی اور برائی میں بیر ہے۔ مومن برائی کو دیکھتا ہے تو اُسے زورِ بازو سے مٹا دیتا ہے، اس کی ہمّت نہیں ہوتی تو اُس کے خلاف زبان استعمال کرتا ہے، اس کی بھی ہمّت نہیں ہوتی تو دِل سے تڑپتا ہے کہ برائی مٹ جائے مگر یہ کم زورترین ایمان کی بات ہے۔ ایمان صحیح حالت میں ہو تو مومن برائی کے خلاف طاقت اور زبان استعمال کرے گا۔ یہ اس کے ایمان کا تقاضا بھی ہے اور خدا اور رسول کی جانب سے ہدایت بھی۔ برائی کو بروقت روکا نہ جائے تو وہ سماج میں پھیل جاتی ہے اور سماج عذابِ الٰہی کا مستحق ہو جاتا ہے۔ پھر جب اللہ کا عذاب آتا ہے تو وہ لوگ بھی نہیں بچتے جو اس برائی میں ملوّث نہ تھے۔ ارشادِ نبوی ہے:

اِنَّ النَّاسَ اِذَارَأَوْا مُنكَرًا فَلَمْ يُغَيِّرُوا يُوشِكُ اَنْ يَّعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابِهِ۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

لوگ جب کسی برائی کو دیکھیں اور اُسے مٹانے کی کوشش نہ کریں تو وہ دن قریب ہے کہ ان سب کو اللہ کا عذاب گھیر لے۔

ایک اور روایت میں ہے:

وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنكَرِ اَوْلَيُوشِكَنَّ اللّٰهُ اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ عِنْدِهِ ثُمَّ لَتَدْعُنَّهُ وَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ۔ (ترمذی)

اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم نیکی کا ضرور حکم کرو گے اور برائی سے ضرور روکو گے ورنہ وہ دن قریب ہے جب اللہ تم پر اپنے پاس سے عذاب بھیجے پھر تم اس سے دُعائیں کرو گے اور تمہاری دُعائیں قبول نہ ہوں گی۔

اللہ کی نافرمانی ہورہی ہو اور کوئی نافرمانی کو روکنے والا اور نافرمان کا ہاتھ پکڑنے والا نہ ہو تو پورا سماج کس طرح تباہ ہوجاتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے ایک تمثیل سے اسے سمجھایا ہے:

مَثَلُ مُدْهِنٍ فِيْ حُدُوْدِ اللّٰهِ وَالْوَاقِعِ فِيْهَا مَثَلُ قَوْمٍ اِسْتَهَمُوْا سَفِيْنَةً فَصَارَ بَعْضُهُمْ فِيْ اَعْلَاهَا فَكَانَ الَّذِيْ فِيْ اَسْفَلِهَا يَمُرُّ بِالْمَاءِ عَلَى الَّذِيْنَ فِيْ اَعْلَاهَا فَتَاَذَّوْا بِهٖ فَاَخَذَ فَأْسًا فَجَعَلَ يَنْقُرُ اَسْفَلَ السَّفِيْنَةِ فَاَتَوْهُ فَقَالُوْا مَالَكَ قَالَ تَاَذَّيْتُمْ بِيْ وَلَابُدَّلِيْ مِنَ الْمَاءِ فَاِنْ اَخَذُوْا عَلٰى يَدَيْهِ اَنْجَوْهُ وَنَجَّوْا اَنْفُسَهُمْ وَاِنْ تَرَكُوْهُ اَهْلَكُوْهُ وَاَهْلَكُوْا اَنْفُسَهُمْ۔ (بخاری)

اللہ کی حدود میں سستی برتنے والے اور انھیں توڑنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے ایک گروہ نے ایک جہاز کو مل کر لیا اور قرعہ اندازی کی تو کچھ لوگ اس کی اوپر کی منزل میں ہو گئے اور کچھ نیچے کی منزل میں تو نیچے والا پانی لے کر اوپر والوں کے پاس سے گزراتو انھیں تکلیف ہوئی (اور انھوں نے اسے منع کر دیا) تو اس نے کلہاڑا لیا اور جہاز کے نیچے والے حصّے میں سوراخ کرنے لگا، لوگ اس کے پاس آئے اور انھوں نے پوچھا کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ اس نے کہا، میرے اوپر جانے آنے سے تمہیں تکلیف ہوئی اور مجھے بہر حال پانی چاہیے (اس لیے سوراخ کر رہا ہوں) تو اگر انھوں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تو اسے بھی بچالیں گے اور اپنے آپ کو بھی اور اگر اسے (جہاز میں سوراخ کرنے کے لیے) چھوڑ دیا تو اسے بھی ہلاک کر دیں گے اور اپنے آپ کو بھی۔

کتنی بہترین تمثیل ہے یہ! اللہ کی نافرمانی سماج کو اسی طرح تباہ کرنے والی شے ہے جیسے سوراخ سے جہاز اپنی سواریوں سمیت تباہ ہوجاتا ہے، جہاز میں سوراخ کرنے والے کا عمل اگرچہ انفرادی ہوتا ہے مگر جہاز اور اس کی تمام سواریوں کو غرق کرنے کا باعث بنتا ہے۔ ایسا ہی معاملہ اللہ کی نافرمانی کا ہے۔ اگر لوگوں کا انفرادی فعل سمجھ کر اسے چھوڑ دیا جائے تو سماج میں نافرمانی عام ہوجاتی ہے اور پورا سماج دنیا و آخرت میں تباہ ہوجاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی شخص کسی برائی اور

اللہ کی کسی حکم عدولی کو شروع ہی میں روک دیتا ہے تو نہ صرف یہ کہ اُس شخص کو گناہ اور تباہی سے بچالیتا ہے بلکہ پورے سماج کو اللہ کی نافرمانی اور اس کے تباہ کن نتائج سے محفوظ کر دیتا ہے!

مسلم سماج کے سلسلے میں ہماری بنیادی ذمّے داری یہ ہے کہ ہم اس میں کسی نیکی کو مٹنے اور کسی بدی کو پروان نہ چڑھنے دیں۔ جہاں بھی اللہ کے کسی حکم سے غفلت برتی جارہی ہو یا کوئی برائی اختیار کی جارہی ہو، ہماری ذمّے داری ہے کہ ہم بروقت اس کا نوٹس لیں۔ سمجھا بجھا کر، اپنا اثر ڈال کر اور اپنی طاقت استعمال کر کے بدی کا انسداد کریں اور نیکی کو فروغ دینے کی اَن تھک کوشش کریں۔ ہمارے ہوتے شراب نوشی، جوئے، سود، زنا اور ظلم کا رواج نہ ہو۔ مسلمان آپس میں لڑ نہ سکیں، مسجدیں آباد ہوں، رمضان کی بے حرمتی نہ ہو، زکوٰۃ اور حج کی ادائی میں کوتاہی نہ ہو، کوئی کسی کا حق نہ مارے، دروغ گوئی، وعدہ خلافی، خیانت اور بے حیائی کو فروغ نہ ہو، غرض اللہ کی کوئی نافرمانی نہ ہو اور اگر ہو تو اسے روکنے کے لیے ہم اپنا پورا زور صرف کر دیں۔ اس طرح ہم اپنے آپ کو اور مسلم سماج کو اللہ کے عذاب سے بچا سکیں گے۔

ہم کسی غیر مسلم سماج میں رہتے ہوں تو ہماری ذمّے داری ہے کہ اس سماج میں بھی ہم یہی رَوِش اختیار کریں۔ جن نیکیوں کو، سب لوگ نیکیاں تصوّر کرتے ہیں غیر مسلموں کے تعاون سے انھیں فروغ دینے کی کوشش کریں اور جن برائیوں کو، سب لوگ برائی مانتے ہیں، مل جل کر ان کے انسداد کی جدّ و جہد کریں۔ غیر مسلموں سے تعلق کے سلسلے میں قرآن مجید میں ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۖ
(المائدۃ:۲)

نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو، گناہ اور سرکشی کے کاموں میں نہ کرو۔

لیکن ہم اپنی اِس مہم میں اُسی وقت کامیاب ہو سکتے ہیں جب خود ہمارا دامن بُرائیوں سے پاک اور ہماری زندگی نیکیوں سے معمور ہو۔ اگر ہم اپنے آپ کو بھلا کر دوسروں کو نصیحت کرنے میں لگے رہے، لوگوں کو برائیوں سے روکتے رہے اور خود برائیوں کا ارتکاب کرتے رہے۔ نیکیوں کا وعظ کرتے رہے اور نیکیوں سے کوسوں دور رہے تو نہ صرف یہ کہ ہم سماج کی اصلاح کرنے میں کامیاب نہ ہوں گے بلکہ آخرت میں خدا کے شدید عذاب کے بھی مستحق ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

يُجَاءُ بِالرَّجُلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُلْقٰى فِى النَّارِ فَتَنْدَلِقُ اَقْتَابُهُ فِى النَّارِ فَيَطْحَنُ فِيْهَا كَطَحْنِ الْحِمَارِ بِرَحَاهُ فَيَجْتَمِعُ اَهْلُ النَّارِ عَلَيْهِ فَيَقُوْلُوْنَ اَىْ فُلَانُ مَاشَأْنُكَ اَلَيْسَ كُنْتَ تَأْمُرُنَا بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَانَاعَنِ الْمُنْكَرِ قَالَ كُنْتُ اٰمُرُكُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَااٰتِيْهِ وَاَنْهَاكُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاٰتِيْهِ۔ (بخاری، مسلم)

قیامت کے روز ایک آدمی کو لایا جائے گا اور اُسے دوزخ کی آگ میں ڈال دیا جائے گا تو اس کی آنتیں آگ میں نکل پڑیں گی اور وہ (تکلیف کے مارے) دوزخ میں اِس طرح چکر کاٹتا پھرے گا جیسے گدھا اپنی چکی میں گھومتا ہے، دوزخی اس کے گرد جمع ہوکر اس سے پوچھیں گے۔ اے میاں! یہ تمہارا کیا حال ہے؟ کیا تم ہمیں نیکی کا حکم نہیں کرتے تھے؟ اور برائی سے نہیں روکتے تھے؟ وہ کہے گا، ہاں میں تمہیں نیکی کا حکم کرتا تھا، مگر خود نہ کرتا تھا برائیوں سے روکتا تھا مگر خود برائیاں کرتا تھا۔

اللہ اکبر! کتنا دردناک ہے یہ انجام! کتنی عبرت انگیز ہے یہ حدیث!

اعلائے کلمۃُ اللہ

گزشتہ تین ابواب؛ گھر کی اصلاح، اسلام کی دعوت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوچکی ہے کہ مومن جس طرح خود اللہ کی اطاعت و بندگی کرنا چاہتا ہے، اسی طرح وہ چاہتا ہے کہ اس کے گھر میں بھی خدا کا حکم چلے، اس کے گرد و پیش رہنے والے سارے انسان اسی کی طرح اللہ کے مخلص بندے بن جائیں، اس کا سماج برائیوں سے یکسر پاک اور نیکیوں سے معمور ہو جائے، بالفاظِ دیگر اس کے گھر، اس کے سماج اور اس کے علاقے میں خدا کی نافرمانی کا نام و نشان باقی نہ رہے۔

لیکن یہ اُسی وقت ممکن ہے جب اللہ کا دین اُس کے ملک میں دینِ غالب کی حیثیت اختیار کر لے، اہلِ ملک پر اللہ کی مرضی کے سوا کسی کی مرضی نہ چلے اور گھریلو زندگی سے لے کر سیاست و معیشت اور ملکی اور بین الاقوامی امور تک، ہر جگہ اللہ کا قانون نافذ ہو اور سماج کی طرح ریاست کی تشکیل بھی اللہ کے دین کے مطابق ہو۔

اگر ملک میں، غیر الٰہی قانون نافذ ہوگا تو زندگی کے مختصر سے دائرے کو چھوڑ کر، جہاں یہ قانون اللہ کی بندگی کی اجازت دے گا اور یہ دائرہ بھی مسلسل سکڑتا ہی رہے گا۔ باقی پوری زندگی میں وہ غیر الٰہی قانون کی پیروی کے لیے مجبور ہوگا۔ وہ اپنے گھر کے لوگوں کو اللہ کی مرضی کے سانچے میں ڈھال نہ سکے گا۔ کیوں کہ ماحول پر کفر، شرک، الحاد اور فسق و فجور کا غلبہ ہوگا۔ وہ اپنے علاقے کو برائیوں سے پاک نہ کر سکے گا۔ کیوں کہ وقت کا قانون انھیں سندِ جواز دیتا ہوگا۔ وہ شراب خوری کا انسداد نہ کر سکے گا۔ کیوں کہ شراب کے کاروبار اور شراب خوری کو وقت کے قانون کی سرپرستی حاصل ہوگی۔ وہ سود کے لین دین سے بچ نہ سکے گا۔ کیوں کہ وقت کی عدالتیں اس کی

پشت پناہ ہوں گی اور وقت کے نظام کے رگ و ریشہ میں سود سرایت کیے ہوئے ہوگا وہ فحاشی وعریانی کو روکنے میں ناکام رہے گا۔ کیوں کہ وقت کا نظام اپنے تمام ذرائع و وسائل سینما، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور فحش لٹریچر اور رسائل کے ذریعے پوری قوت سے اسے پھیلا رہا ہوگا۔ وہ اختلاطِ مرد و زن اور زنا اور محرّکاتِ زنا پر روک نہ لگا سکے گا۔ کیوں کہ یہ وقت کی تہذیب کے پُرکشش اور اُبھرے ہوئے پہلو ہوں گے، وہ اپنی اولاد کو دینی تعلیم نہ دلا سکے گا کیوں کہ وقت کا تعلیمی نظام دینی تعلیم سے یکسر خالی ہوگا اور اس کا ماحول اور تربیت کا انداز غیر اخلاقی اور لادینی ہوگا۔ وہ عدالتوں سے خدائی قانون کے مطابق فیصلے نہ کرا سکے گا۔ کیوں کہ ان عدالتوں سے غیر الٰہی قانون کے تحت فیصلے ہوتے ہوں گے۔ اس کا پرسنل لا بھی ہر وقت خطرہ میں ہوگا۔ وقت کا نظام جب چاہے گا اُسے ختم کر کے یکساں سول کوڈ نافذ کر دے گا اور مسلمان مجبور ہوگا کہ نکاح اور طلاق جیسے معاملات میں بھی اسلامی قانون پر عمل نہ کر سکے۔

یہ ہیں غیر الٰہی نظامِ زندگی کے غلبے کے نتائج۔ کوئی بھی دین مغلوب رہ کر پھل پھول نہیں سکتا۔ چہ جائیکہ اسلام، جو پوری زندگی پر حاوی ہے اور جو انفرادی اور اجتماعی امور و معاملات میں ہدایات دیتا ہے ـــــ ایسے دین پر مغلوبیت کی حالت میں کس طرح عمل کیا جا سکتا ہے!
حقیقت یہ ہے کہ جو شخص بھی اللہ کی بندگی میں مخلص ہوگا، وہ دِل سے اس کی تمنا اور زندگی بھر اِس کی جدّ و جہد کرے گا کہ اللہ کی زمین پر اللہ کی مرضی کے سوا کسی کی مرضی نہ چلے اور اس کے قانون کے سوا کوئی قانون نافذ نہ رہے، اللہ نے جس سے بڑھ کر حکیم و دانا کوئی نہیں، خود یہ واضح فرما دیا ہے کہ یہ دین غالب ہونے کے لیے آیا ہے اور رسول کی بعثت کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ کا دین آخر کار دنیا میں غالب و نافذ ہو:

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ (التوبۃ: ۳۳، الصف: ۹)

وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اُسے تمام دینوں پر غالب کر دے اگر چہ مشرکین کو کتنا ہی ناگوار ہو۔

قرآن مجید میں یہ آیت اِن الفاظ کے ساتھ سورۂ توبہ اور سورۂ صف میں اور آخری الفاظ کی تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ سورۂ فتح میں آئی ہے۔ اللہ نے دین کے نازِل ہونے اور رسول کے مبعوث

ہونے کا مقصد صریح الفاظ میں بار بار واضح فرمادیا تا کہ کسی کو کسی طرح کا اشتباہ نہ رہے۔ اِن تینوں سورتوں میں ایک ہی بات مختلف انداز سے بیان کی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ اہل ایمان اللہ کے دین کو غالب و نافذ کرنے کے لیے اپنا سب کچھ لگادیں، یہی ان کے ایمان کا بنیادی تقاضا ہے، یہی ان کے مومن ہونے کا ثبوت ہے اور اسی سے وہ دنیا میں اللہ کی نصرت اور آخرت میں جنت پاسکتے ہیں ــــــ یہ اس لیے کہ رسول کے ذریعہ اللہ کے دین کے غالب ہونے کی واحد صورت یہ ہے کہ رسول کے پیرووں کی کوششیں اس کام میں لگ جائیں کیوں کہ تنہا رسول نہ نظامِ باطل کو مغلوب کرسکتا ہے اور نہ نظامِ حق کو غالب چنانچہ سورۂ صف میں اس آیت کے فوراً بعد ہے:

يَآاَيُّهَاالَّذِينَ اٰمَنُوا هَلُ اَدُلُّكُمُ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنُجِيكُمُ مِّنُ عَذَابٍ اَلِيمٍo تُؤُمِنُونَ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهٖ وَتُجَاهِدُونَ فِيُ سَبِيلِ اللّٰهِ بِاَمُوَالِكُمُ وَاَنُفُسِكُمُ ذٰلِكُمُ خَيُرٌلَّكُمُ اِنُ كُنُتُمُ تَعُلَمُونَo يَغُفِرُلَكُمُ ذُنُوبَكُمُ وَيُدُخِلُكُمُ جَنّٰتٍ تَجُرِيُ مِنُ تَحُتِهَا الُاَنُهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيُ جَنّٰتِ عَدُنٍ ذٰلِكَ الُفَوُزُ الُعَظِيمُo وَاُخُرٰى تُحِبُّونَهَا نَصُرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتُحٌ قَرِيبٌ وَبَشِّرِ الُمُؤُمِنِينَo
(الصف:۱۰-۱۳)

اے ایمان لانے والو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں (خدا کے) دردناک عذاب سے نجات بخشے، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے پوری جدّ وجہد کرو، یہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہوتے۔ اِس صورت میں وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا۔ جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی اور پاکیزہ محلات میں جگہ دے گا جو ہمیشگی کی جنتوں میں ہوں گے یہی عظیم الشّان کامرانی ہے اور ایک اور چیز بخشے گا جو تمہیں محبوب ہے، اللہ کی مدد اور قریبی فتح اور (اے نبی) اہلِ ایمان کو بشارت دو!

اِن آیات سے پہلی بات یہ واضح ہوئی کہ اِن آیات کا خطاب صحابۂ کرام سے مخصوص نہیں ہے، سارے اہلِ ایمان ان کے مخاطب ہیں چنانچہ ''اے ایمان والو!'' سے کلام کا آغاز ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ جہنم کے عذاب سے نجات پانے، گناہوں کے بخشے جانے اور جنت کے مستحق ہونے کی راہ

یہ ہے کہ انسان اللہ اور اس کے رسول پر مخلصانہ ایمان لائے اور پھر اللہ کی رضا کے لیے اس کے دین کو غالب کرنے کی جدّ و جہد میں اپنے وجود اپنی صلاحیتوں اور قوتوں اور اپنے ذرائع و وسائل کو لگا دے، تیسری بات یہ کہ یہ اگر چہ بظاہر سرتاسر قربانی کی راہ ہے لیکن فی الواقع انتہائی نفع بخش تجارت اور عظیم کامرانی کا سودا ہے، دُنیا کی چند روزہ زندگی کو، جو بہر حال ختم ہونے والی ہے اور حقیر مال و متاع کو، جو ایک نہ ایک دن ہم سے چھن جانے والے ہیں، خدا کی راہ میں قربان کر کے اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے لگا کر ہم آخرت کے ابدی اور دردناک عذاب سے نجات حاصل کر لیتے ہیں اور جنت کی دائمی ولازوال اور بے پایاں و ناقابلِ تصوّر نعمتیں پا لیتے ہیں۔ کیا یہ عظیم الشان کامرانی نہیں ہے۔ اور چوتھی بات یہ ہے کہ آخرت کی ابدی ولازوال کامرانی سے پہلے دنیوی کامرانی کی راہ بھی یہی ہے۔ جو لوگ اللہ کے دین کو غالب و نافذ کرنے کے لیے اپنا سب کچھ لگا دیتے ہیں اللہ ان کی مدد فرماتا ہے اور فتح و کامرانی ان کے لیے مقدّر ہو جاتی ہے۔ سورۂ توبہ میں ہے:

لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ۝ (التوبة: ۴۴، ۴۵)

جو لوگ اللہ اور آخرت پر (سچ مچ) ایمان رکھتے ہیں وہ (اے نبی) اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے جدوجہد نہ کرنے کی اجازت نہیں چاہتے، اللہ متقیوں کو خوب جانتا ہے۔ تم سے اس کی اجازت وہی چاہتے ہیں جو نہ اللہ پر یقین رکھتے ہیں، نہ آخرت پر، جن کے دلوں میں شک ہے اور وہ ان شکوک میں سرگرداں ہیں۔

اِن آیات سے واضح ہوا کہ اعلائے کلمۃُ اللہ کی جدّ و جہد انسان کے دین و ایمان کی کسوٹی ہے۔ مخلص مومن اِس جدّ و جہد سے کترانے کے لیے بہانے تلاش نہیں کرتا وہ تو اپنا سب کچھ اِس راہ میں لگا دیتا ہے، اس کے برعکس جو شخص غلبۂ دین کی جدّ و جہد میں اپنا حصّہ ادا نہیں کرتا اور حیلوں، بہانوں اور تاویلوں کی اوٹ میں پناہ لیتا ہے۔ ارشادِ خداوندی کی رُو سے وہ اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔ جھوٹا ہے اگر وہ خود کو مسلمان کہتا ہے۔

کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان جیسے ملک میں جہاں غیر مسلموں کی عظیم اکثریت ہے،

اسلام کس طرح دینِ غالب کی حیثیت اختیار کرسکتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ صد فی صد غیر مسلموں میں آئے تھے، آپ کی دعوتی جدّ و جہد سے اسلام پھیلنا شروع ہوا اور ایک دِن آیا جب پورا عرب مسلمان ہوگیا اور اسلام عرب کا دینِ غالب بن گیا۔

ہندستان ایک جمہوری ملک ہے۔ جمہوریت میں نظام کی تبدیلی آمریت اور بادشاہت کے مقابلے میں آسان ہوتی ہے۔ یہاں کے عوام جس نظام کو پسند کریں گے، وہ ملک کا نظام بن جائے گا۔ اگر یہاں کی اکثریت اسلام کو اپنے دکھوں کا مداوا سمجھ لے تو اسلام ملک کا غالب نظام بن سکتا ہے، البتہ اِس منزل تک پہنچنے کے لیے اُن کاموں کے کرنے کی ضرورت ہے جن کا ذِکر اس سے پہلے آچکا ہے۔ اگر اسلام کے داعی، اسلام کا سچا نمونہ اور اخلاق و کردار کا پیکر ہوں، اگر اُمّتِ مسلمہ کی فی الجملہ اصلاح ہوجائے، اگر غیر مسلموں میں اسلام کا وسیع پیمانے پر تعارف ہو اور اسلام کے سلسلے میں ان کی غلط فہمیاں دور ہوجائیں تو یہ منزل دور نہ رہے گی! ان شاء اللہ!

صالح اجتماعیت

کوئی بھی قوم اور کوئی بھی گروہ ہو، اتحاد اس کی بقا اور اس کی آزادی کے لیے شرطِ لازم کی حیثیت رکھتا ہے، اتحاد خود بہت بڑی طاقت ہے۔ متحد قوم کو نہ بہ آسانی محکوم بنایا جاسکتا ہے اور نہ مٹایا جاسکتا ہے۔ قومیں اتحاد، قربانی اور جدّ و جہد کے نتیجے میں عزت و سربلندی پاتی ہیں اور مخالف قوموں کو ان کے مقابلے میں منہ کی کھانی پڑتی ہے۔ اِس کے برعکس جس قوم میں پھوٹ ہو، وہ ترقی سے ہم کنار نہیں ہوسکتی۔ اس کی قوتیں آپس کی جنگ میں ضائع ہوتی رہتی ہیں۔ اس کی دھاک دنیا سے اٹھ جاتی ہے۔ وہ دوسری قوموں کے لیے تر نوالہ بن جاتی ہے، جو اس پر دست درازی کرکے اس کی عزّت و سربلندی ہی کو نہیں، آزادی کو بھی خاک میں ملا دیتی ہیں۔ پھر اس کے لیے اپنے وجود، اپنی تہذیب، اپنی زبان، اپنی قومی خصوصیات اور اپنے دین کا تحفظ انتہائی دشوار ہو جاتا ہے، اور وہ ذلّت، محکومی، پستی، گم نامی اور بے کسی و بے بسی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

لیکن اگر کسی گروہ کے پاس کوئی اعلیٰ نظامِ زندگی ہو اور اس کا اعلاء اس کا مقصدِ وجود ہو تو ایسے گروہ کے لیے اتحاد کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ اتحاد کے بغیر کوئی نصب العین حاصل نہیں کیا جاسکتا، اجتماعیت کے بغیر کوئی انقلاب نہیں لایا جاسکتا اور تنظیم کے بغیر کسی نظام کے غلبے کا تصوّر بھی نہیں کیا جاسکتا۔

امّتِ مسلمہ ایک ایسی ملّت ہے جو پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ اگر اس میں اتحاد نہ ہو تو اُسے دوسری قوموں کی محکومیت اور ان کے اندر جذب ہونے سے کس طرح بچایا جاسکتا ہے۔ پھر یہ ملت اسلام کے اصولوں کی امین ہے ان اُصولوں پر عمل درآمد اُسی وقت ممکن ہے، جب اس کی

صفوں میں انتشار نہ ہو۔ انتشار اور تفرقہ کی صورت میں وہ مِل جُل کر نماز تک ادا نہیں کر سکتے، جو دین کی اوّلین اور اساسی احکام میں سے ہے۔ انتشار اور تفرقہ کی صورت میں یہ ملت خود کو فتنوں سے بھی نہیں بچا سکتی۔ اِس حالت میں کوئی بھی شخص اٹھ کر ملت کو کسی بھی گمراہی اور بے راہ روی میں مبتلا کر سکتا ہے اور انتشار کے باعث ملّت اِس فتنہ کو روکنے سے قاصر ثابت ہوگی (اور اُمت کی تاریخ گواہ ہے کہ دورِ انتشار میں فتنے پیدا ہوتے اور پروان چڑھتے رہے ہیں) اور یہ فتنے ملّت کو مزید انتشار میں مبتلا کر دیں گے اور اسلامی نظام کا قیام تو اسی وقت ممکن ہے، جب ملّت متحد ہو کر اس کے لیے جدّ و جہد کرے۔ انتشار کی حالت میں کسی نظام کے قیام کی توقع محض خام خیالی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے مسلمانوں کے اتحاد اور ان کی اجتماعیت کو غیر معمولی اہمیت دی ہے۔ اسلام نے نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کو متحد رہنے اور انتشار اور تفرقہ سے بچنے کا حکم دیا ہے بلکہ یہ بھی بتایا ہے کہ وہ کس بنیاد پر متّحد ہوں، کس مقصد کے لیے متّحد ہوں اور اپنے اتحاد کو کس طرح باقی رکھیں اور مستحکم بنائیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۖ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۗ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ (آل عمران: ۱۰۳)

اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو اکٹھے ہو کر اور فرقہ فرقہ نہ ہو جاؤ اور اللہ کے اس فضل و کرم کو یاد کرو جو اس نے تم پر کیا کہ تم دشمن تھے تو اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا تو تم اس کے فضل و کرم سے بھائی بھائی بن گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے تو اللہ نے تم کو اس سے بچالیا، یونہی اللہ اپنی آیتیں تم پر واضح کرتا ہے۔ امید ہے کہ تم ہدایت پاؤ گے۔

اس آیت سے کئی باتیں واضح ہوئیں، ایک یہ کہ مسلمانوں کا اتحاد اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے، دوسرے یہ کہ اس اتحاد کے بغیر مسلمان راہِ راست پر گامزن نہیں رہ سکتے، تیسرے یہ کہ تفرقہ ممنوع اور مذموم ہے اور چوتھے یہ کہ مسلمانوں کے اتحاد کی بنیاد اعتصام بحبل اللہ ہے یعنی مسلمان اللہ کی

رسی کو مضبوطی کے ساتھ تھامیں، اس کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت سے چمٹ جائیں اور دینِ حق کی بنیاد پر متفق ہو جائیں اور بھائی بھائی بن کر رہیں متحد ہونے کے بعد انھیں کرنا کیا ہے، اس کی شرح اگلی آیت کرتی ہے:

وَلۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ يَّدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۝

(اٰلِ عمران:۱۰۴)

اور تمہیں ایک ایسا گروہ بن جانا چاہیے جو خیر کی طرف دعوت دے، نیکی کا حکم کرے اور بُرائی سے روکے اور ایسے ہی لوگ کامیاب و کامراں ہیں۔

یعنی اِس اجتماعیت کا مقصدِ وجود اسلام کی دعوت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، بالفاظِ دیگر اسلام کا اعلاء ہے۔ اگلی آیتیں تفرقہ اور انتشار کی شناعت کو پوری طرح واضح کرتی ہیں:

وَلَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّذِيۡنَ تَفَرَّقُوۡا وَاخۡتَلَفُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَهُمُ الۡبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ۝ لا يَّوۡمَ تَبۡيَضُّ وُجُوۡهٌ وَّ تَسۡوَدُّ وُجُوۡهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اسۡوَدَّتۡ وُجُوۡهُهُمۡ ۟ اَكَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَكۡفُرُوۡنَ ۝ وَاَمَّا الَّذِيۡنَ ابۡيَضَّتۡ وُجُوۡهُهُمۡ فَفِىۡ رَحۡمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ۝

(اٰلِ عمران:۱۰۵–۱۰۷)

اور ان کی مانند نہ ہو جاؤ جنہوں نے اس کے بعد کہ اُن کے پاس کھلے ہوئے احکام آچکے تھے، تفرقہ اور اختلاف کی راہ اختیار کی اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے، اس دِن جب کہ کچھ چہرے روشن ہوں گے اور کچھ سیاہ ہوں گے، تو جن کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے کہا جائے گا) کیا تم نے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا تو تم جو کفر کرتے تھے اس کے عوض عذاب چکھو اور جن کے چہرے روشن ہوں گے وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

کتنی عبرت انگیز ہیں یہ آیات! اِن آیات سے واضح ہوتا ہے کہ تفرقہ و انتشار کا نتیجہ نہ صرف یہ کہ آخرت میں ہولناک عذاب ہے بلکہ یہ جرم اسلام و ایمان سے ذرا بھی جوڑ نہیں کھاتا، یہ تو کفر کے قبیل کی چیز ہے اور اس کا عذاب بھی کفر کے عذاب کے مشابہ ہوتا ہے۔

اسلامی اجتماعیت کو وجود میں لانے اور اُسے برقرار رکھنے کے لیے اسلام کی ہدایت یہ ہے کہ مسلمانوں کا ایک سربراہ ہونا چاہیے، جس کی اطاعت خدا اور رسول کی اطاعت کے تحت ان کی مقرر کردہ حدود میں اِسی طرح ضروری ہے جس طرح خود خدا اور رسول کی اطاعت، البتہ نزاع کی صورت میں سب کو خدا اور رسول کی طرف رجوع کرنا چاہیے، قرآن مجید میں ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِیۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡكُمۡ ۚ فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَیۡرٌ وَّاَحۡسَنُ تَاۡوِیۡلًا ۝

(النساء:۵۹)

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اطاعت کرو رسول کی اور اپنے میں کے اولی الامر (سربراہوں) کی، تو اگر تمہارے درمیان کسی شے میں نزاع ہوجائے تو اُسے خدا و رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہی روِش بہتر ہے اور اسی کا انجام بہتر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے:

مَنۡ اَطَاعَنِیۡ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ، وَمَنۡ عَصَانِیۡ فَقَدۡ عَصَی اللّٰهَ وَمَنۡ یُّطِعِ الۡاَمِیۡرَ فَقَدۡ اَطَاعَنِیۡ وَمَنۡ یَّعۡصِ الۡاَمِیۡرَ فَقَدۡ عَصَانِیۡ وَاِنَّمَا الۡاِمَامُ جُنَّةٌ یُقَاتَلُ مِنۡ وَّرَاءِهٖ وَیُتَّقٰی بِهٖ۔ (بخاری، مسلم)

جس نے میری اِطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی اور جو امیر کی اطاعت کرتا ہے وہ میری اطاعت کرتا ہے اور جو اس کی نافرمانی کرتا ہے وہ میری نافرمانی کرتا ہے اور امام (امیر) تو ڈھال ہے جس کی پُشت پناہی میں جنگ کی جاتی ہے اور (خطروں) سے بچا جاتا ہے۔

حدیث سے واضح ہوا کہ امیر کی اطاعت خدا اور رسول کی اطاعت ہے اور امیر کی نافرمانی خدا و رسول کی نافرمانی، یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ امیر کا وجود اور اس کی اطاعت اس لیے بھی ضروری ہے کہ اس کے بغیر امت کا دفاع اور اس کا خطروں اور فتنوں سے تحفظ ناممکن ہے، ایک اور روایت میں ہے:

اَلسَّمۡعُ وَالطَّاعَةُ عَلَی الۡمَرۡءِ الۡمُسۡلِمِ فِیۡ مَا اَحَبَّ وَكَرِهَ

مَالَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ۔
(بخاری، مسلم)

مردِ مومن پر (اپنے امیر کی) سمع وطاعت لازم ہے ان احکام میں بھی جو اُسے پسند ہوں اور اُن میں بھی جو اُسے ناپسند ہوں جب تک کہ اسے معصیت کا حکم نہ دیا جائے اور جب معصیت کا حکم دیا جائے تو اُسے نہ سننا چاہیے، نہ اطاعت کرنا چاہیے۔

ایک اور حدیث میں ہے:

مَنْ خَلَعَ يَدًا مِّنْ طَاعَةٍ لَقِيَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَاحُجَّةَ لَهٗ وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِيْ عُنُقِهٖ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً۔ (مسلم)

(امیر کی) اطاعت سے دستکش ہونے والا جب اللہ سے قیامت کے روز ملے گا تو (اس کی گرفت سے بچنے کے لیے) وہ کوئی دلیل نہ پیش کر سکے گا اور جو شخص اِس حال میں مرگیا کہ اس کی گردن میں (امیر کی) بیعت کا قلادہ نہ تھا وہ جاہلیت کی موت مرا۔

حدیث سے واضح ہوا کہ اسلامی اجتماعیت کے بغیر زندگی جاہلیت کی زندگی ہے۔

مسلمانوں کے مابین اتحاد کس درجہ ہونا چاہیے اس کا اندازہ درج ذیل آیت سے ہوتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ٥ (الصف: ۴)

یقیناً اللہ ان لوگوں کو محبوب رکھتا ہے جو اس کی راہ میں جنگ کرتے ہیں اس طرح گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

یعنی انتہائی نازک اور پُر خطر حالات میں بھی اہل ایمان کی صفوں میں کوئی انتشار نہیں ہوتا، وہ اللہ کی رضا اور دین کے اعلاء کے لیے سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح متحد و مستحکم ہوتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا ثُمَّ شَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ۔ (بخاری، مسلم)

مومن مومن کے لیے دیوار کی طرح ہوتا ہے جس کا ایک حصّہ دوسرے حصّے کو تقویت پہنچاتا ہے، پھر آپ نے اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں ڈال کر فرمایا کہ ایسے۔

اخلاص

اللہ اپنے بندوں سے کیا چاہتا ہے؟ یہ بات گزشتہ صفحات میں تفصیل سے آچکی ہے، دین کے یہ احکام ہر مومن کے لیے واجب التعمیل اور اس کی دنیا و آخرت کی کامرانی کے موجب ہیں۔ لیکن دین کا کوئی عمل ہو اللہ کے یہاں اسی وقت مقبول ہوتا ہے جب کہ وہ صرف اللہ کی رضا اور آخرت کی نجات و فلاح کے لیے کیا گیا ہو جو کام دکھاوے کے لیے کیا گیا ہو، جس کا حقیقی محرک دنیوی مفاد ہو ایسا کوئی کام اللہ کے یہاں قبول نہ ہوگا بلکہ کرنے والے کے منہ پر مار دیا جائے گا۔

قرآن مجید میں ریاء کو منافقین کا شیوہ بتایا گیا ہے:

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا۔ (النساء:۱۴۲)

منافقین اللہ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں، اللہ خود انھیں دھوکے میں ڈال رہا ہے، جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی سے کھڑے ہوتے ہیں، لوگوں کے دکھاوے کے لیے (نماز پڑھتے ہیں) اور اللہ کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔

دکھاوے کے لیے وہی لوگ کام کرتے ہیں جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِىْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ (البقرة:۲۶۴)

اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور تکلیف دہ باتوں سے برباد نہ کرو جس طرح کہ وہ شخص ہے جو اپنے مال کو لوگوں کے دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور آخرت پر یقین نہیں رکھتا۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَاالْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِامْرِئٍ مَّانَوٰی فَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ فَھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُـہٗ اِلٰی دُنْیَا یُصِیْبُھَا اَوِامْرَءَ ۃٍ یَّتَزَوَّجُھَا فَھِجْرَتُہٗ اِلٰی مَاھَاجَرَ اِلَیْہِ۔ (بخاری، مسلم)

اعمال کا دارومدار سرتاسر نیتوں پر ہے اور آدمی کو بس وہی ملے گا، جس کی اس نے نیت کی تو جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے۔ اور جس کی ہجرت دنیا پانے یا کسی عورت سے شادی کرنے کے لیے ہے تو اس کی ہجرت بس اُسی کے لیے ہے جس کے لیے اُس نے ہجرت کی۔

جہاد کی طرح ہجرت بھی ایمان کی کسوٹی اور بہت بڑی نیکی ہے، مومن کی یہ قربانی کتنی بڑی قربانی ہے کہ وہ اپنے گھر، اپنی جائداد، اپنے کاروبار، اپنے وطن اور اپنے اعزّہ کو خیرباد کہہ کر اللہ کے دین پر عمل کرنے کی خاطر کسی اجنبی جگہ چلا جاتا ہے۔ یہ عظیم قربانی اللہ کی نظر سے گزر جاتی ہے۔ اگر اس کا حقیقی محرک اللہ کی رضا اور رسول کی اطاعت کے بجائے دنیوی مفاد کا حصول یا کسی عورت سے شادی ہو، ایسی ہجرت کا آخرت میں کوئی اجر نہ ہوگا۔

ایک اور روایت میں ہے:

اِنَّ اَوَّلَ النَّاسِ یُقْضٰی عَلَیْہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ رَجُلٌ نِاسْتُشْھِدَ فَاُتِیَ بِہٖ فَعَرَّفَہٗ نِعْمَتَہٗ فَعَرَفَھَا فَقَالَ فَمَاعَمِلْتَ فِیْھَا قَالَ قَاتَلْتُ فِیْکَ حَتّٰی اسْتُشْھِدْتُّ قَالَ کَذَبْتَ وَلٰکِنَّکَ قَاتَلْتَ لِاَنْ یُّقَالَ جَرِیْءٌ فَقَدْ قِیْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِہٖ فَسُحِبَ عَلٰی وَجْھِہٖ حَتّٰی اُلْقِیَ فِی النَّارِ وَرَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَعَلَّمَہٗ، وَقَرَءَ الْقُرْاٰنَ فَاُتِیَ بِہٖ فَعَرَّفَہٗ نِعَمَہٗ فَعَرَفَھَا قَالَ فَمَاعَمِلْتَ فِیْھَا قَالَ تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلَّمْتُہٗ وَقَرَءْتُ فِیْکَ الْقُرْاٰنَ قَالَ کَذَبْتَ وَلٰکِنَّکَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِیُقَالَ اِنَّکَ عَالِمٌ وَقَرَءْتَ الْقُرْاٰنَ لِیُقَالَ ھُوَقَارِیٌٔ فَقَدْقِیْلَ ثُمَّ اُمِرَبِہٖ فَسُحِبَ عَلٰی وَجْھِہٖ حَتّٰی

أُلْقِيَ فِي النَّارِ وَرَجُلٌ وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَعْطَاهُ مِنْ اَصْنَافِ الْمَالِ كُلِّهِ فَاُتِيَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعَمَهٗ فَعَرَفَهَا قَالَ فَمَاعَمِلْتَ فِيْهَا قَالَ مَاتَرَكْتُ مِنْ سَبِيْلٍ تُحِبُّ اَنْ يُنْفَقَ فِيْهَا اِلَّا اَنْفَقْتُ فِيْهَا لَكَ قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ فَعَلْتَ لِيُقَالَ هُوَجَوَادٌ فَقَدْقِيْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ثُمَّ اُلْقِيَ فِي النَّارِ۔ (مسلم)

قیامت کے روز سب سے پہلے اُس شخص کا فیصلہ ہوگا جو شہید ہوا تھا، اُسے لایا جائے گا، اللہ اس سے اپنی نعمتوں کا تذکرہ کرے گا، وہ انھیں جان جائے گا، اللہ پوچھے گا، تم نے اِن نعمتوں کے بارے میں کیا روش اختیار کی؟ عرض کرے گا، میں نے تیری راہ میں جنگ کی۔ یہاں تک کہ شہید ہوگیا۔ ارشاد ہوگا، تم جھوٹ بولتے ہو، تم نے جنگ کی تاکہ لوگ تمھیں بہادر کہیں، تو کہہ دیا گیا۔ پھر اُس کے بارے میں حکم ہوگا، اسے چہرے کے بل گھسیٹا جائے گا اور دوزخ میں ڈال دیا جائے گا اور وہ شخص جس نے (دین کا) علم سیکھا، سکھایا اور قرآن پڑھا ہوگا، اُسے لایا جائے گا۔ اللہ اُس سے اپنی نعمتوں کا ذکر کرے گا جنھیں وہ جان جائے گا۔ سوال ہوگا، تم نے اِن نعمتوں کے بارے میں کیا طرزِ عمل اختیار کیا؟ کہے گا: میں نے علم سیکھا، سکھایا اور تیری خاطر قرآن پڑھا۔ ارشاد ہوگا، تم جھوٹ بولتے ہو، تم نے علم سیکھا تاکہ لوگ تمھیں عالم کہیں اور قرآن پڑھا تاکہ لوگ تمھیں ماہرِ قرآن کہیں۔ تو کہہ دیا گیا، پھر حکم ہوگا اور اُسے منہ کے بل گھسیٹ کر لے جایا جائے گا اور جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ اور وہ شخص جسے اللہ نے کشائش بخشی ہوگی اور اُسے ہر طرح کا مال دیا ہوگا اُسے لایا جائے گا، اللہ اُس سے اپنی نعمتوں کا ذِکر کرے گا۔ وہ اِن نعمتوں کو جان جائے گا، سوال ہوگا، تم نے اِن نعمتوں کے بارے میں کیا روِش اختیار کی؟ عرض کرے گا میں نے ہر اُس راہ میں تیرے لیے خرچ کیا جہاں خرچ کرنا تجھے پسند تھا، ارشاد ہوگا، تم جھوٹ بولتے ہو، تم نے خرچ کیا تاکہ لوگ تمھیں سخی کہیں تو کہہ دیا گیا، پھر حکم ہوگا اور اُسے چہرے کے بل گھسیٹ کر جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔

کِس قدر لرزا دینے والی ہے یہ حدیث! انسان کے پاس تین طرح کی قوتیں ہیں، جسمانی، ذہنی، اور مالی، اور مردِ مومن کی قربانی یہ ہے کہ اِن قوتوں کو اللہ کی راہ میں لگا دے۔ لیکن اگر یہ قوتیں دین کی راہ میں اخلاص کے بجائے دکھاوے اور نام ونمود کے لیے لگیں تو یہ عظیم قربانی نہ صرف یہ کہ رائیگاں جائے گی، بلکہ وہ اس جرم کی سزا میں جہنم کی آگ میں ذلّت وخواری کے ساتھ جھونک دیا جائے گا کہ اُس نے خدا کی دی ہوئی قوتوں کو انسانوں کی رضا کے لیے صرف کیا۔

اقامتِ دین

قرآنِ مجید میں انبیاء علیہم السّلام کی بعثت، آسمانی کتابوں کے نزول اور دینِ خداوندی کی آمد کی غرض و غایت پر روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوحًا وَّالَّذِيٓ اَوۡحَيۡنَآ اِلَيۡكَ وَمَا وَصَّيۡنَا بِهٖٓ اِبۡرٰهِيۡمَ وَمُوۡسٰى وَعِيۡسٰٓى اَنۡ اَقِيۡمُوا الدِّيۡنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوۡا فِيۡهِ (الشوریٰ:۱۳)

اللہ نے تمہارے لیے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کی تاکید اُس نے نوحؑ کو کی تھی اور جس کی وحی ہم نے تمہاری طرف کی ہے اور جس کی تاکید ہم نے ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو کی تھی کہ دین کی اقامت کرو اور اس میں متفرق نہ ہو۔

یعنی انبیاء علیہم السّلام کی بعثت اور دینِ خداوندی کے نزول کا بنیادی منشا یہ رہا ہے کہ اللہ کے دین کی اقامت کی جائے۔ اللہ کا دین کیا ہے؟ گزشتہ صفحات میں کتاب وسنّت کی روشنی میں اسے واضح کیا جا چکا ہے۔ ''اقامتِ دین'' کا مفہوم کیا ہے؟ اِسے جاننے کے لیے ضروری ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ قرآن مجید میں لفظِ ''اقامت'' کس کس مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ سورۂ کہف میں ہے:

فَوَجَدَا فِيۡهَا جِدَارًا يُّرِيۡدُ اَنۡ يَّنۡقَضَّ فَاَقَامَهٗ (الکھف:۷۷)

تو ان دونوں نے اُس (بستی) میں ایک دیوار پائی جو گرا چاہتی تھی تو اُنہوں نے اُسے قائم کر دیا۔

آیت میں دیوار کی ''اقامت'' کا مفہوم ہے، اُسے گرنے سے بچا لینا اور اُسے سیدھا کھڑا کر دینا سورۂ رحمٰن میں ہے:

وَاَقِیۡمُوا الۡوَزۡنَ بِالۡقِسۡطِ وَلَا تُخۡسِرُوا الۡمِیۡزَانَ۝ (الرحمن: ۹)
اور انصاف کے ساتھ ٹھیک ٹھیک تولو اور تول میں کمی نہ کرو۔

یہاں وزن کی ''اقامت'' کا مطلب ہے، ٹھیک ٹھیک تولنا، سورۂ طلاق میں ہے:

وَاَقِیۡمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ (طلاق: ۲) اور اللہ کے لیے ٹھیک ٹھیک گواہی دو۔

اِس آیت میں شہادت کی اقامت کا مطلب ہے، ٹھیک ٹھیک گواہی دینا۔

سورۂ اعراف میں ہے:

وَاَقِیۡمُوۡا وُجُوۡهَكُمۡ عِنۡدَ كُلِّ مَسۡجِدٍ وَّادۡعُوۡهُ مُخۡلِصِیۡنَ لَهُ الدِّیۡنَ ؕ (الاعراف: ۲۹)

اور ہر سجدے کے وقت اپنا رُخ سیدھا کرو اور اللہ کو پکارو دین (پرستش و اطاعت) کو اُس کے لیے خالص کرتے ہوئے۔

یہاں رخ کی 'اقامت' کا مطلب ہے، شرک سے بچ کر اللہ کی ٹھیک ٹھیک عبادت۔

سورۂ رُوم میں ہے:

فَاَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّیۡنِ حَنِیۡفًا ؕ (الروم: ۳۰) تو اپنا رُخ سیدھا کرو دین کے لیے یکسو ہو کر۔

چند آیات کے بعد پھر ارشاد ہوتا ہے:

فَاَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّیۡنِ الۡقَیِّمِ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَ یَوۡمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ یَوۡمَئِذٍ یَّصَّدَّعُوۡنَ۝ (الروم: ۴۳)

تو اپنا رُخ سیدھا کرو دین قیم کے لیے قبل اس کے کہ وہ دن آئے جسے اللہ کی طرف سے آنے سے کوئی روک نہ سکے گا، اس دن لوگ منتشر ہو جائیں گے۔

اِن آیات میں دین کے لیے رُخ کی اقامت کا مطلب ہے، ہر طرف سے یکسو ہو کر استقامت اور اخلاص کے ساتھ اللہ کے دین کی ٹھیک ٹھیک پیروی۔

قرآنِ مجید میں ''اقامتِ صلوٰۃ'' کا ذکر مختلف انداز سے بہت سے مقامات پر آیا ہے۔ ہم یہاں صرف دو تین آیات نقل کریں گے۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوۡكِ الشَّمۡسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیۡلِ وَقُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ ؕ (بنی اسرائیل: ۷۸)

نماز قائم کرو سورج کے ڈھلنے سے لے کر رات کی تاریکی تک اور صبح کے وقت (نماز میں) قرآن پڑھو۔

سورۂ نساء میں ہے:

فَاِذَا اطۡمَاۡنَنۡتُمۡ فَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتۡ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ كِتٰبًا مَّوۡقُوۡتًا ۝ (النساء : ۱۰۳)

تو جب اطمینان و سکون ہو جائے تو نماز قائم کرو یقیناً نماز اہل ایمان پر (اللہ کا) فریضہ ہے پابندیٔ وقت کے ساتھ۔

سورۂ نور میں ہے:

رِجَالٌ ۙ لَّا تُلۡهِيۡهِمۡ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيۡعٌ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيۡتَآءِ الزَّكٰوةِ (النور : ۳۷)

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد، اقامت صلوٰۃ اور ادائیگی زکوٰۃ سے غافل نہیں کرتی۔

اِن آیات میں اقامتِ صلوٰۃ یا نماز کی اقامت کا مطلب ہے۔ نماز کی پابندی، اس کا اہتمام اور اس کا پورا پورا حق ادا کرنا۔

سورۂ بقرہ میں ہے:

فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا يُقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَا فِيۡمَا افۡتَدَتۡ بِهٖ ؕ تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ فَلَا تَعۡتَدُوۡهَا ۚ وَمَنۡ يَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ۝ (بقرہ : ۲۲۹)

تو اگر تمہیں ڈر ہو کہ وہ دونوں (میاں بیوی) اللہ کی حدود کو قائم نہ کر سکیں گے تو ان دونوں کے لیے حرج نہیں اِس بات میں کہ عورت فدیہ دے (اور خلع کرالے) یہ اللہ کی حدود ہیں تو ان سے تجاوز نہ کرو اور جو لوگ حدود اللہ سے تجاوز کرتے ہیں وہ خود اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہیں۔

اس آیت میں اللہ کے حدود کی اقامت کا مطلب ہے معاشرتی زندگی میں احکام الٰہی کا پورا پورا پاس و لحاظ، ان کی پوری پوری تعمیل اور حدود اللہ سے تجاوز کا مطلب ہے احکامِ الٰہی کی دانستہ خلاف ورزی۔ سورۂ مائدہ میں، اہلِ کتاب کے سلسلے میں ہے:

وَلَوْاَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ
وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ○ (المائدة:٦٥)

اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان سے ان کی برائیاں دور کردیتے... اور انہیں نعمتوں کی جنت میں داخل کرتے۔

اِس میں اہل کتاب سے مغفرت اور جنت کی نعمتوں کا وعدہ ایمان اور تقویٰ کی بنیاد پر کیا گیا ہے یعنی اگر وہ ایمان لاکر اپنی پوری زندگی (انفرادی واجتماعی) میں خدا کی نافرمانی سے بچتے تو وہ اللہ کی مغفرت اور نعمتوں بھری جنت کے مستحق ہوتے۔

اِس سے اگلی آیت یہ ہے:

وَلَوْاَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآاُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَايَعْمَلُوْنَ ○ (المائدة:٦٦)

اور اگر وہ تورات، انجیل اور اُن تمام کتابوں کو، جو اُن کے رب کی طرف سے ان کی طرف نازل ہوئیں قائم کرتے تو وہ اپنے اوپر سے کھاتے اور اپنے قدموں کے نیچے سے، ان میں سے ایک گروہ راہِ اعتدال پر ہے اور ان میں کے بہت سے لوگ بہت برے کام کرتے ہیں۔

اِس آیت میں توراۃ، انجیل اور اللہ کی دوسری کتابوں کی اقامت کا مطلب ہے، پوری زندگی میں ان پر ٹھیک ٹھیک عمل، انفرادی اور اجتماعی، زندگی کے دونوں پہلوؤں میں احکامِ الٰہی کا مکمل نفاذ۔ یہ بات قرآنِ مجید اور تورات، دونوں سے واضح ہے کہ تورات میں اجتماعی زندگی اور سیاست سے متعلّق احکام بھی تھے اور مختلف جرائم کے سلسلے میں حدود و تعزیرات بھی ـــــ جیسا کہ خود قرآنِ مجید میں ہے ـــــ اور تورات کی اقامت کا مطلب اِن تمام احکام کی تعمیل اور ان سب کا مکمّل نفاذ و قیام ہے۔

ایک آیت کے بعد پھر ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَیْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ (المائدة:٦٨)

کہہ دو، اے اہلِ کتاب! تم کچھ بھی ہدایت پر نہیں ہو جب تک کہ تم تورات، انجیل اور
اِن کتابوں کو، جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازِل ہوئی ہیں، قائم نہ کرو۔

اس آیت میں بھی تورات، انجیل اور کتبِ الٰہی کی اقامت سے ـــــ اور یہی اللہ کے دین کی اقامت ہے ـــــ مراد اللہ کے تمام احکام کی تعمیل اور ان کا مکمل نفاذ ہے۔

قرآن مجید کے اِن استعمالات سے واضح ہوا کہ اقامتِ دین کا مفہوم ہے، اللہ کے دین پر کماحقہٗ عمل کرنا، احکامِ الٰہی کا پاس ولحاظ کرنا، پورے خلوص ویکسوئی اور استقامت کے ساتھ اللہ کے دین کا حق ادا کرنا اور زندگی کے انفرادی واجتماعی تمام گوشوں میں دینِ حق کو قائم ونافذ کرنا ـــــ بالفاظِ دیگر دین کی ان تمام ذمّہ داریوں سے بہ حسن وخوبی عہدہ برآ ہونا جو کتاب وسنّت میں مذکور ہیں اور جن کا مختصر خاکہ گزشتہ اوراق میں آچکا ہے۔

اِقامتِ دین کا ایک جزء اللہ کے دین کو غالب کرنے کی کوشش بھی ہے ـــــ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے ـــــ یہی نہیں، اِس کے بغیر مکمل اِقامتِ دین کا تصوّر نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ دین پر، انفرادی اور اجتماعی، دونوں زندگیوں میں عمل، دین کے معاشی، سیاسی اور اجتماعی احکام کی تعمیل، حدود وتعزیرات کا نفاذ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، اسلامی قانون کے مطابق نظامِ عدالت کا قیام اور اسلامی ریاست کی تشکیل اُسی وقت ممکن ہے جب کہ زمامِ اقتدار اہلِ حق کے ہاتھوں میں ہو اور حق، دینِ مغلوب نہیں، نظام غالب ہو، یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسول دین کی صرف دعوت دینے کے لیے نہیں، اُسے غالب کرنے آئے تھے:

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ٥ (الصف:۹)

وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اُسے تمام
دینوں پر غالب کردے اگرچہ مشرکین کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔

اور اِسی مقصد کی تکمیل کے لیے اُمتِ مُسلمہ پر دین کو غالب کرنے ـــــ جہاد فی سبیل اللہ ـــــ کی ذمّہ داری عائد کی گئی اور صاف الفاظ میں بتادیا گیا کہ اِس ذمّہ داری سے سبکدوش ہونے کے بعد ہی وہ دنیا میں اللہ کی نصرت اور آخرت میں جہنّم کے عذاب سے نجات اور جنت کی ابدی نعمتوں کے مستحق ہوسکتے ہیں، چنانچہ اس آیت کے فوراً بعد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ○ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ○ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ○
(الصف: ۱۰-۱۳)

اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں (خدا کے) دردناک عذاب سے نجات دے۔ اللہ اور اس کے رسول پر (سچا) ایمان لاؤ اور اس کی راہ میں اپنے مال اور جان سے (پوری) جدّ وجہد کرو، یہی تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم جانتے ہوتے! اس صورت میں وہ تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور وہ تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی اور ہمیشگی کی جنتوں کے اندر عمدہ اور پاکیزہ محلات میں داخل کرے گا۔ یہی عظیم الشان کامرانی ہے اور ایک اور چیز، جو تم محبوب رکھتے ہو (ملے گی) اللہ کی مدد اور قریبی فتح۔ اے نبیؐ! اہل ایمان کو اس کی بشارت دے دو۔

اِقامتِ دین، اپنے اس وسیع مفہوم میں، جس میں دین کی مخلصانہ اور کامل پیروی، دین کی دعوت وشہادت، اعلاء کلمۃ اللہ اور اللہ کی عائد کردہ تمام ذمّہ داریوں کی ادائی داخل ہے، انبیاء کی آمد، کتبِ سماوی کے نزول اور دینِ الٰہی کی تشریع کی حقیقی غرض وغایت ہے، ہر دور کے اہل ایمان سے، جو اللہ کے دین پر ایمان لائے، دین کی اقامت کا مطالبہ کیا گیا، اِس راہ پر متحد ومتفق ہوکر چلنے کو کہا گیا، یہی راہ دنیا وآخرت کی کامرانی کی واحد راہ ہے اور یہی ہر مسلمان اور پوری اُمتِ مسلمہ کا نصب العین اور مقصدِ حیات ہے۔

جماعت اسلامی ہند کا
نصب العین اور طریق کار

جماعت اسلامی ہند کا نصب العین اِقامتِ دین ہے جس کا حقیقی محرک صرف رضائے الٰہی اور فلاحِ آخرت کا حصول ہے۔

تشریح:۔ ''اقامتِ دین'' میں لفظ دین سے مراد وہ دینِ حق ہے جسے اللہ ربُّ العالمین اپنے تمام انبیاء کے ذریعہ مختلف زمانوں اور مختلف ملکوں میں بھیجتا رہا ہے اور جسے آخری اور مکمل صورت میں تمام انسانوں کی ہدایت کے لیے اپنے آخری نبی محمد ﷺ کے ذریعہ نازِل فرمایا اور جواَب دنیا میں ایک ہی مستند، محفوظ اور عند اللہ مقبول دین ہے، اور اس کا نام اسلام ہے۔

یہ دین انسان کے ظاہر و باطن اور اس کی زندگی کے تمام انفرادی واجتماعی گوشوں کو محیط ہے۔ عقائد، عبادت اور اخلاق سے لے کر معیشت، معاشرت اور سیاست تک انسانی زندگی کا کوئی ایک شعبہ بھی ایسا نہیں ہے جو اس کے دائرے سے خارج ہو۔

یہ دین جس طرح رضائے الٰہی اور فلاحِ آخرت کا ضامن ہے، اِسی طرح دنیوی مسائل کے موزوں حل کے لیے بہترین نظامِ زندگی بھی ہے اور انفرادی واجتماعی زندگی کی صالح اور ترقی پذیر تعمیر صرف اِسی کے قیام سے ممکن ہے۔

اِس دین کی اقامت کا مطلب یہ ہے کہ کسی تفریق و تقسیم کے بغیر اس پورے دین کی مخلصانہ پیروی کی جائے اور ہر طرف سے یکسو ہو کر کی جائے اور انسانی زندگی کے انفرادی و اجتماعی

تمام گوشوں میں اسے اس طرح جاری و نافذ کیا جائے کہ فرد کا ارتقاء، معاشرے کی تعمیر اور ریاست کی تشکیل، سب کچھ اسی دین کے مطابق ہو۔

اِس دین کی اقامت کا مثالی اور بہترین عملی نمونہ وہ ہے جسے حضرت محمد ﷺ اور حضرات خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے قائم فرمایا۔

طریق کار

اپنے نصب العین کے حصول کے لیے جماعت اسلامی ہند کا طریق کار حسب ذیل ہوگا:

(۱) قرآن اور سنّت جماعت کی اساس کار ہوں گی، دوسری ساری چیزیں ثانوی حیثیت سے صرف اس حد تک پیش نظر رکھی جائیں گی جس حد تک قرآن و سنّت کی رُو سے اُن کی گنجائش ہو۔

(۲) جماعت اپنے تمام کاموں میں اخلاقی حدود کی پابند ہوگی اور کبھی ایسے ذرائع اور طریقے استعمال نہ کرے گی جو صداقت و دیانت کے خلاف ہوں یا جن سے فرقہ وارانہ منافرت، طبقاتی کشمکش اور فساد فی الارض رونما ہو۔

(۳) جماعت اپنے نصب العین کے حصول کے لیے تعمیری اور پُر امن طریقے اختیار کرے گی یعنی وہ تبلیغ و تلقین اور اشاعت افکار کے ذریعہ ذہنوں اور سیرتوں کی اصلاح کرے گی اور اس طرح ملک کی اجتماعی زندگی میں مطلوبہ صالح انقلاب لانے کے لیے رائے عامّہ کی تربیت کرے گی۔

(دستور جماعتِ اسلامی ہند دفعہ ۴ و ۵، ص: ۸-۱۰)